© rasailojaraid.com

''وہ بچپن کے دن اپنی شیریں یادوں اور سادہ خیالات سمیت گزر گئے۔اب زمانہ بدل گیا اور میں نے علمی اداروں میں تحصیل علم کا آغاز کیا۔کتب تفسیر نظر سے گزریں اور اساتذہ سے تفسیر قرآن کا درس لیا لیکن افسوس بالائے افسوس کہ وہ شیریں اور حسین وجمیل قرآن جس کی تلاوت میں بچپن میں کیا کرتا تھا، مجھے کہیں نظر نہ آیا۔

ہائے افسوس! قرآن میں حسن وجمال کے وہ سارے نشانات خواب وخیال ہوگئے۔لذت واشتیاق سے قرآن خالی ہوگیا، کیا یہ دو قرآن ہیں؟ ایک بچپن کا شیریں، سہل، ذوق انگیز اور شوق افزا قرآن اور دوسرا عالم شباب کا مشکل اور پیچیدہ اور بظاہر غیر مربوط! شاید یہ تاثرات مقلدانہ انداز تفسیر کا کرشمہ تھے۔میرے اندر ایک نئے رجحان نے انگڑائی لی اور میں نے کتب تفسیر سے صرفِ نظر کر کے قرآن کو خود اس کی مدد سے پڑھنا شروع کیا۔اور اب پھر مجھے میرا کھویا ہوا حسین اور پیارا قرآن مل گیا۔وہی شوق انگیز لذیذ تصویریں میری نگاہ کے سامنے گھومنے لگیں۔صرف اتنا فرق تھا کہ پہلی سی سادگی باقی نہ رہی تھی، کیونکہ میرے فہم وادراک کے زاویے تبدیل ہو چکے تھے۔اب میں ان تصاویر کے اغراض ومقاصد سمجھنے لگا تھا اور جانتا تھا کہ یہ تصویریں نہیں مثالیں ہیں جو فہم قرآن کے لیے بیان کی گئی ہیں۔ان میں کسی واقعہ کی منظر کشی نہیں کی گئی۔لیکن ان تصاویر کی سحر طرازی کا وہی عالم تھا۔ان میں ہنوز وہی جاذبیت اور اثر آفرینی باقی تھیں۔الحمدللہ میں نے قرآن کو پھر سے تلاش کر لیا''۔(۱۵)

اس کتاب میں سید قطب نے کس خوبصورتی سے قرآن کی ادبی خصوصیات کو واضح کیا ہے اس کا تجزیہ طوالت کا متقاضی ہے۔جسکا جائزہ کسی اور مناسب موقع پر کریں گے۔

سید قطب نے قرآن میں غوطہ زن ہو کر اسکی ادبیت کو اجاگر کیا ہے کہ قرآن کا ہر جملہ اور ہر جملے کا ہر لفظ اور ہر لفظ کا ہر حرف اپنے موقع ومحل اور موضوع سے گہری مناسبت رکھتا ہے۔یہی ہم آہنگی اور گہری مناسبت آپکی دیگر تخلیقات میں بھی پائی جاتی ہے۔

معالم فی الطریق:

''**معالم في الطريق**'' سید قطب کی آخری تصنیف ہے جس کو اگر انکی تمام تخلیقات کا جامع نچوڑ اور خلاصہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔خود سید صاحب مقدمہ میں اس کتاب کے مسودہ کے متعلق رقمطراز ہیں:

''اس کتاب کے چار ابواب میری 'تفسیر فی ظلال القرآن' سے ماخوذ ہیں، جن میں میں نے موضوع کی رعایت سے کچھ ترمیم واضافہ کیا ہے۔اس مقدمہ کے علاوہ بقیہ آٹھ ابواب میں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف اوقات میں قلمبند کیے ہیں۔قرآن حکیم کے پیش کردہ ربّانی نظریۂ حیات پر غور وفکر کے دوران میں مختلف اوقات میں مجھ پر جو حقائق منکشف ہوئے، وہ میں نے ان ابواب میں سپرد قلم کر دیے ہیں۔یہ خیالات بظاہر بے جوڑ اور منتشر معلوم ہوں گے۔مگر ایک بات ان سب میں مشترک ملے گی، اور وہ یہ کہ یہ خیالات 'نشان راہ' ہیں۔ظاہر ہے کہ ہر راستے کی علامات کا یہی حال ہوتا ہے۔مجموعی طور پر یہ گزارشات 'معالم فی الطریق' کی پہلی قسط ہیں۔اور امید ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کتاب کو پیش کرنے کی توفیق دی ہے، اس موضوع پر اور بھی چند مجموعے پیش کرنے کی توفیق نصیب ہوگی۔"(۱۶)

اس کتاب میں سید صاحب نے اسلام کے ہمہ گیر تصور کو بنیادی طور پر موضوعِ بحث بنایا ہے۔اس تصور کے مختلف پہلوؤں کو سید قطب نے کس طرح سمیٹا ہے اس کے لیے ہم کتاب کی فہرست پر اک نظر ڈالتے ہیں:

مقدمہ، قرآن کی تیار کردہ لاثانی نسل، قرآن کا طریقِ انقلاب، اِسلامی معاشرے کی خصوصیات اور اس کی تعمیر کا صحیح طریقہ، جہاد فی سبیل اللہ، لا الٰہ الا اللہ: اسلام کا نظامِ حیات، آفاقی ضابطۂ حیات، اسلام ہی اصل تہذیب ہے، اِسلام اور ثقافت، مسلمان کی قومیت، دور رس تبدیلی کی ضرورت، ایمان کی حکمرانی، وادیٔ پر خار۔(۱۷)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک انقلابی کتاب ہے جس میں ہر سلیم الفطرت انسان کو ایک صحیح انقلاب کی دعوت دی گئی ہے۔کہ آج مغرب کے جمہوری اور اشتراکی نظام انسانیت کے مسائل حل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں اپنی مادی ترقی کے باوجود انسانیت کو عدل وانصاف وامن سکون نہیں دے سکے انسانیت کے مسائل صرف اسلام ہی حل کر سکتا ہے بشرطیہ کہ مسلمان صرف اسلام کے علمبردار بنیں کسی اور نعرے کے علمبردار نہ بنیں۔

مقدمے کے دوران مسلح افواج کے میگزین "مجلة القوات المسلمة" کے شمارہ یکم اکتوبر ۱۹۶۵ء (نمبر شمار ۴۶۶) میں سید قطب پر لگائی گئی فرد جرم شائع ہوئی۔اس میں انہیں باغی اور غدار ٹھیرایا گیا تھا کہ وہ مصر میں وسیع پیمانے پر توڑ پھوڑ کرنا چاہتے تھے اور مصری حکام اور مصر کے تمام فنکاروں اور فنکاراؤں کو قتل کرنے کی سازش تیار کر رہے تھے۔اس کے ثبوت کے طور پر ان کی تصنیف معالم فی الطریق کے اقتباسات پیش کیے گئے تھے۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے ہم سید کے اسلوب نثر کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔

سید قطب کی تحریروں میں واقعیت کا پہلو خاصہ نمایاں ہے۔انسانی معاشرے کے گھمبیر مسائل اور ان کا حل آپ کی تصانیف کا خاص موضوع رہا ہے۔انسانیت کی ہمہ گیر تباہی کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آج انسانیت جہنم کے کنارے کھڑی ہے۔ہمہ گیر تباہی کا خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا ہے، لیکن یہ خطرہ تو محض ظاہری علامت ہے، اصل مرض نہیں۔بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آج انسانیت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دامن ان اقدار حیات سے خالی ہو چکا ہے،جن سے اسے نہ صرف صحت مندانہ بالیدگی حاصل ہوتی ہے، بلکہ حقیقی ارتقا بھی نصیب ہوتا ہے۔خود اہل مغرب پر بھی اپنا یہ روحانی افلاس خوب اچھی طرح آشکارا ہو چکا ہے، کیوں کہ تہذیب مغرب کے پاس انسانیت کے سامنے پیش کرنے کے لیے آج کوئی صحت مند نظریۂ حیات باقی نہیں، بلکہ اس کے روحانی دیوالیہ پن کا آج تو یہ حال ہے کہ اسے خود اپنے وجود و بقا کے لیے کوئی بھی ایسی معقول بنیاد یا وجۂ جواز نہیں مل رہی جس سے اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے ضمیر ہی کو مطمئن کر سکتی۔ جمہوریت مغرب میں بانجھ ثابت ہو چکی ہے جس کی وجہ سے مغرب مشرقی افکار و نظریات اور نظام ہائے حیات کی خوشہ چینی پر مجبور نظر آتا ہے۔سوشلزم کے پردے میں مشرقی کیمپ کے اقتصادی تصورات کو جس طرح مغرب میں اپنایا جا رہا ہے، وہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔

دوسری طرف خود مشرقی کیمپ کا حال بھی پتلا ہے مشرق کے اجتماعی نظریات کو لیجئے،ان میں مارکسزم پیش پیش ہے، یہ نظریہ شروع شروع میں مشرقی دنیا، بلکہ خود اہل مغرب کی ایک کثیر تعداد کو بھی ،اپنی جانب کھینچنے میں کامیاب ہو گیا۔اس کی کامیابی کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ محض ایک نظام ہی نہ تھا بلکہ اس پر عقیدہ کی چھاپ بھی لگی ہوئی تھی۔ مگر اب مارکسزم بھی فکری اعتبار سے مات کھا چکا ہے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ اب یہ ایک ایسی ریاست کا نظام بن کر رہ گیا ہے جسے مارکسزم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے،تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ بہ حیثیت مجموعی یہ نظریہ انسانی فطرت کی ضد واقع ہوا ہے،اور انسانی فطرت کے تقاضوں سے متحارب ہے۔ یہ صرف خستہ اور زبوں حال ماحول ہی میں پھل پھول سکتا ہے۔یا پھر اس کے لیے وہ ماحول سازگار ہوتا ہے جو طویل عرصہ تک ڈکٹیٹر شپ برداشت کرتے کرتے اس سے مانوس ہو چکا ہو۔لیکن اب تو اس طرح کے پامال اور بے جان ماحول میں بھی اس کا مادہ پرستانہ اقتصادی تجربہ ناکام ثابت ہو رہا ہے۔حالانکہ یہی وہ واحد پہلو ہے جس پر اس کی پوری عمارت قائم ہے،اور جس پر اسے ناز ہے۔روس اشتراکی نظام کے علمبردار ملکوں کا سرخیل ہے۔مگر اس کی غذائی پیداوار روز بروز گھٹتی جا رہی ہے۔ حالانکہ زار کے عہد میں بھی روس فاضل اناج پیدا کرتا رہا ہے۔مگر اب وہ باہر سے اناج درآمد کر رہا ہے۔اور روٹی حاصل کرنے کے لیے اپنے سونے کے محفوظ ذخائر تک بیچ رہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اجتماعی کاشت کا نظام یکسر ناکام ہو چکا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ نظام جو انسانی فطرت کے سراسر خلاف ہے اپنے ہاتھوں شکست کھا چکا ہے''۔(۱۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید صاحب کے افکار و نظریات مثبت، تعمیری اور حقیقت پسندی پر مبنی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی بھی انسانی معاشرہ کے تابناک مستقبل سے ناامید نہیں ہوئے بلکہ ان کا قلم ہمیشہ روشن مستقبل کی نویدیں سناتا رہا، انکی تحریریں بنی نوع میں قوت ِحیات، خوداعتمادی اور کرگزرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہیں اسی مناسبت سے وہ لکھتے ہیں:

''ان حالات کی روشنی میں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ انسانیت اب ایک نئ قیادت کی محتاج ہے۔اب تک انسانیت کی یہ قیادت اہل مغرب کے ہاتھ میں تھی مگر اب یہ قیادت روبہ زوال ہے۔اور جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں، اس قیادت کے زوال کا یہ سبب نہیں ہے کہ مغربی تہذیب مادی لحاظ سے مفلس ہوچکی ہے، یا اقتصادی اور عسکری اعتبار سے مضمحل ہوگئی ہے۔بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مغربی انسان ان زندگی بخش اقدار سے محروم ہو چکا ہے جن کی بدولت وہ قیادت کے منصب پر فائز رہ سکتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اب تاریخ کے اسٹیج پر اس کا رول تمام ہو چکا ہے اور ایک ایسی قیادت کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے جو ایک طرف یورپ کی تخلیقی ذہانت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی مادی ترقی کی حفاظت کر سکے اور اسے مزید نشوونما دے سکے، اور دوسری طرف انسانیت کو ایسی اعلیٰ اور اکمل اقدار حیات بھی عطا کر سکے، جن سے انسانی علم اب تک ناآشنا رہا ہے، اور ساتھ ہی انسانیت کو ایک ایسے طریقِ زندگی سے بھی روشناس کرا سکے جو انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہو، مثبت اور تعمیری ہو، اور حقیقت پسندانہ ہو۔یہ حیات آفرین اور منفرد نظام حیات صرف اسلام کے پاس ہے۔اسلام کے سوا کسی اور ماخذ سے اس کی جستجو لاحاصل ہے۔

علمی ترقی کی تحریک بھی اپنی افادیت کھو چکی ہے۔اس تحریک کا آغاز سولہویں صدی عیسوی میں علمی بیداری کے ساتھ ہی ہو گیا تھا، اٹھارویں اور انیسویں صدی اس کا زمانہ عروج تھا۔مگر اب اس کے پاس بھی کوئی سرمایۂ حیات باقی نہیں رہا۔

تمام وطنی اور قومی نظریات جو اس دور میں نمودار ہوئے، اور وہ تمام اجتماعی تحریکیں جو ان کی نظریات کی بدولت برپا ہوئیں ان کے پاس بھی اب کوئی نیا حربہ باقی نہیں رہا ہے۔الغرض ایک ایک کر کے تمام انفرادی اور اجتماعی نظریات اپنی ناکامی کا اعلان کر چکے ہیں''۔(۱۹)

امتِ مسلمہ کے گمِ گشتہ مقصد کی یاددہانی کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس انتہائی نازک، ہوش رُبا اور اضطراب انگیز مرحلے میں تاریخ کے اسٹیج پر اب اسلام اور امت مسلمہ کی باری آئی ہے۔اسلام موجودہ مادی ایجادات کا مخالف نہیں ہے۔بلکہ وہ تو مادی ترقی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کا فرض اولیں قرار دیتا ہے۔ زمین پر نیابتِ الٰہی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد پہلے دن سے ہی اس کو جتا دیا تھا کہ مادّی ترقی کا حصول اس کا فرض اولیں ہے۔ چنانچہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اسلام چند مخصوص شرائط کے تحت مادّی جدوجہد کو عبادت الٰہی کا درجہ دیتا ہے۔ اور اسے تخلیق انسانی کی غرض وغایت کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ تصور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً... (اور یاد کر جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں)۔(۲۰)

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ... (اور میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں)۔(۲۱)

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو جس مقصد کے لیے اٹھایا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ امت مسلمہ اپنے اس مقصد وجود کو پورا کرے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ تَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ.. (تم دنیا میں بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت کے لیے میدان میں لایا گیا ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔(۲۲)

وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا(۲۳)... (اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ اور رسول تم پر گواہ ہو)۔(۲۴)

دور حاضر میں امتِ مسلمہ کی از سر نو تشکیل کے مراحل پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلام اپنا رول اس وقت تک ادا نہیں کر سکتا جب تک وہ ایک معاشرے کی صورت میں جلوہ گر نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں اپنا صحیح رول ادا کرنے کے لیے اسلام کے لیے ایک امت اور قوم کی شکل اختیار کرنا گزیر ہے۔ دنیا نے کسی دور میں، اور بالخصوص دورِ حاضر میں، کبھی ایسے خالی خولی نظریہ پر کان نہیں دھرا جس کا عملی مظہر اسے جیتی جاگتی سوسائٹی میں نظر نہ آئے۔ اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امت مسلمہ کا 'وجود' کئی صدیوں سے معدوم ہو چکا ہے کیونکہ امت مسلمہ کسی ملک کا نام نہیں ہے جہاں اسلام بستا رہا ہے، اور نہ کسی 'قوم' سے عبارت ہے جس کے آباء اجداد تاریخ کے کسی دور میں اسلامی نظام کے سائے میں زندگی گزارتے رہے ہیں بلکہ یہ اس انسانی جماعت کا نام کے جس کے طور طریق، افکار ونظریات، قوانین وضوابط، اقدار اور معیار ردّ وقبول سب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوتے اسلامی نظام کی منبع سے پھوٹتے ہیں۔ان اوصاف وامتیازات کی حامل امت مسلمہ اسی لمحہ اپنا وجود کھو چکی ہے،جس لمحہ روئے زمین پر شریعت الٰہی کے تحت حکمرانی وجہانبانی کا فریضہ معطل ہوا ہے۔لیکن اگر اسلام کو دوبارہ وہ کردار ادا کرنا ہے جس کے لیے آج انسانیت چشم براہ ہے تو ناگزیر ہے کہ پہلے امت مسلمہ کے اصل وجود کو بحال کیا جائے،اوراس امت مسلمہ کواز سرنو زندہ کیا جائے جس پر کئی نسلوں کا ملبہ پڑا ہوا ہے،جو غلط نظریات کے انباروں میں دبی پڑی ہے،جو خودساختہ اقدار ودساتیر کے ڈھیروں میں پنہاں ہے جن کا اسلام اوراسلام کے طریقۂ حیات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے مگراس کے باوجود اب تک اس خام خیالی میں مبتلا ہے کہ اس کا وجود قائم ودوائم ہے اورنام نہاد'عالم اسلامی'اس کا مسکن ہے!

میں اس بات سے بے خبرنہیں ہوں کہ تجدید واحیا کی کوشش اورحصول قیادت کے درمیان بڑا طویل فاصلہ ہے۔ادھرامت مسلمہ کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے'اصل وجود'کوعرصۂ طویل سے فراموش کرچکی ہے،اورتاریخ کے اسٹیج سے رخصت ہوئے اسے زمانہ دراز گزرچکا ہے۔غیر حاضری کے اس طویل وقفے میں انسانی قیادت کے منصب پرمختلف نظریات وقوانین،اقوام اورکچھ روایات قابض پاگئی ہیں۔یہی وہ دور تھا جس میں یورپ کے عبقری ذہن نے سائنس،کلچر،قانون اور مادی پیداوار کے میدان وہ حیرتناک کارنامے انجام دیئے،جن کے باعث اب انسانیت ماڈی ترقی اورایجادات کے نکتۂ عروج پرپہنچ چکی ہے۔چنانچہ ان کمالات یاان ایجادات کے موجدین پر بآسانی انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی۔خصوصاً اس حالت میں جبکہ وہ خطۂ زمین بھی جسے'دنیائے اسلام'کے نام سے پکارا جاتا ہے ان ایجادات سے قریب قریب خالی ہے۔مگران تمام باتوں کے باوجود اسلام کا احیاء نہایت ضروری ہے۔احیائے اسلام کی ابتدائی کوشش اورحصولِ امامت کے درمیان خواہ کتنی ہی لمبی مسافت حائل ہو اورخواہ کتنی ہی گھاٹیاں سدِّ راہ ہوں،احیائے اسلام کی تحریک سے صرف نظرنہیں کیا جاسکتا۔یہ تواس راہ میں پہلا قدم ہے اورناگزیر مرحلہ!''(۲۵)

نئی قیادت کے لیے امامتِ عالم کے نقوش واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہمیں اپنا کام علی وجہ البصیرت کرنے کے لیے متعین طور پر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا صلاحیتیں ہیں جن کی بناپرامت مسلمہ امامت عالم کا فریضہ ادا کرسکتی ہے یہ اس لیے ضروری ہے تاکہ ہم تجدید واحیا کے پہلے ہی مرحلے میں ان صلاحیتوں کی تفصیل اورتشخیص میں کسی غلطی کا شکار نہ ہوجائیں۔

امت مسلمہ آج اس بات پر قادر ہے اورنہ اس سے یہ مطلوب ہے کہ وہ انسانیت کے سامنے ماڈی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایجادات کے میدان میں ایسے غیر معمولی تفوق کا مظاہرہ کرے، جس کی وجہ سے اس کے آگے انسانوں کی گردنیں جھک جائیں، اور یوں اپنی اس مادّی ترقی کی بدولت وہ ایک بار پھر اپنی عالمی قیادت کا سکہ منوالے۔ یورپ کا عبقری دماغ اس دوڑ میں بہت آگے جا چکا ہے۔ اور کم از کم آئندہ چند صدیوں تک اس امر کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی کہ یورپ کی مادّی ترقی کا جواب دیا جا سکے یا اس پر تفوق حاصل کیا جا سکے۔

لہٰذا ہمیں کسی دوسری صلاحیت کی ضرورت ہے۔ ایسی صلاحیت جس سے تہذیب حاضر عاری ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مادی ترقی کے پہلو کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے۔ بلکہ اس معاملے میں بھی پوری جانفشانی اور جدوجہد لازم ہے۔ لیکن اس نکتۂ نظر سے نہیں کہ ہمارے نزدیک موجودہ مرحلے میں یہ انسانی قیادت کے حصول کے لیے کوئی ناگزیر صلاحیت ہے، بلکہ اس نکتۂ نظر سے کہ یہ ہمارے وجود و بقا کی ایک ناگزیر شرط ہے۔ اور خود اسلام جو انسان کو خلافتِ ارضی کا وارث قرار دیتا ہے، اور چند مخصوص شرائط کے تحت کارِ خلافت کو عبادت الٰہی اور تخلیق انسانی کی غرض و غایت خیال کرتا ہے، مادی ترقی کو ہم پر لازم ٹھہراتا ہے۔

انسانی قیادت کے حصول کے لیے مادّی ترقی کے علاوہ کوئی اور صلاحیت درکار ہے۔ اور یہ صلاحیت صرف وہ عقیدہ اور نظامِ زندگی ہو سکتا ہے جو انسانیت کو ایک طرف یہ موقع دے کہ وہ مادّی کمالات کا تحفظ کرے، اور دوسری طرف اس طمطراق کے ساتھ پورا کرے جس طرح موجودہ مادّی ذہن نے پورا کیا ہے۔ اور پھر یہ عقیدہ اور نظامِ حیات عملاً ایک انسانی معاشرے کی شکل اختیار کرے یا بالفاظِ دیگر ایک مسلم معاشرہ اس کا نمائندہ ہو۔" (۲۵)

اس معرکۃ الآراء کتاب کا اختتام اس طرح ہوتا ہے۔

"یہاں ایک اور حقیقت قابل غور ہے جس کی طرف قرآن نے اصحاب الاخدود کے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ذیل کی آیت میں اشارہ کیا ہے:

وَمَا نَقَمُوا مِنهُم اِلّآ اَن يُّؤمِنُوا بِاللهِ العَزِيزِ الحَمِيدِ... (اور وہ اہل ایمان سے صرف اس وجہ سے چڑے کہ وہ اللہ عزیز و حمید پر ایمان لا چکے تھے)۔ (۲۷)

اس حقیقت قرآن پر بھی داعیانِ حق کو ہر دور اور ہر ملک کے داعیانِ حق کو گہری نگاہ سے غور و تامل کرنا چاہیے۔ اہلِ ایمان اور ان کے حریفوں کے درمیان جو جنگ برپا ہے یہ درحقیقت عقیدہ و فکر کی جنگ ہے، اس کے سوا اس جنگ کی اور کوئی حیثیت قطعاً نہیں ہے۔ ان مخالفین کو مومنین کے صرف ایمان سے عداوت ہے اور ان کی تمام برافروختگی اور غیض و غضب کا سبب وہ عقیدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جسے مومنین نے حرزِ جاں بنا رکھا ہے۔ یہ کوئی سیاسی جنگ ہرگز نہیں ہے۔ نہ یہ اقتصادی یا نسلی معرکہ آرائی ہے۔ اگر اس نوعیت کا کوئی جھگڑا ہوتا تو اسے با آسانی چکایا جاسکتا تھا۔ اور اس کی مشکلات پر قابو پایا جاسکتا تھا لیکن یہ تو اپنے جوہر و روح کے لحاظ سے خالصتاً ایک فکری جنگ ہے۔ یہاں امر متنازع فیہ یہ ہے کہ کفر رہے گا یا ایمان جاہلیت کا چلن ہو گا یا اسلام کی حکومت!

مشرکین کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال و دولت، حکومت اور دوسرے ہر طرح کے دنیوی مفادات پیش کیے اور ان کے مقابلے میں صرف ایک چیز کا مطالبہ کیا اور وہ یہ کہ آپ عقیدہ کی جنگ ترک کر دیں، اور اس معاملے میں ان سے کوئی سودے بازی کر لیں۔ اور اگر آپ ان کی یہ خواہش پوری کر دیتے تو آپ کے ان کے درمیان کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایمان و کفر کا مسئلہ ہے اور اس کشمکش کی تمام تر بنیاد عقیدہ پر ہے۔ مومنین کو جہاں کہیں اعداء سے سامنا ہو یہ بنیادی حقیقت ان کے دل و دماغ پر منقش رہنی چاہیے۔ اس لیے کہ اعداء کی تمام تر عداوت و خفگی کا سبب صرف یہ عقیدہ ہے کہ ''وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو غالب اور حمید ہے'' اور صرف اسی کی اطاعت کرتے ہیں اور اسی کے آگے سرافگندہ ہیں۔

اعداء یہ ہتھکنڈہ بھی استعمال کرسکتے ہیں کہ عقیدہ و نظریہ کے بجائے کسی اور نعرہ کو اس جنگ کا شعار بنا دیں۔ اور اسے اقتصادی یا سیاسی یا نسلی جنگ ثابت کرنے کی کوشش کریں تاکہ مومنین کو اس معرکہ کی اصل حقیقت کے بارے میں گھپلے میں ڈال دیں اور عقیدہ کی جو مشعل ان کے سینوں میں فروزاں ہے اسے بجھا دیں۔ اہلِ ایمان کو اس بارے میں کسی دھوکے کا شکار نہ ہونا چاہیے۔ اور انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اعداء کے یہ الجھاوے ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہیں۔ اور جو اس جنگ میں کوئی اور نعرہ بلند کرتا ہے تو دراصل وہ یہ چاہتا ہے کہ اہلِ ایمان کو اس ہتھیار سے محروم کر دے جو ان کی کامیابی و ظفرمندی کا اصل راز ہے، یہ کامیابی جس شکل میں بھی ہو۔ چاہے اس روحانی بلندی اور آزادی کے رنگ میں ہو جو اخدود کے واقعہ میں اہلِ ایمان کو نصیب ہوئی یا اس بلندی کی بدولت حاصل ہونے والے مادی غلبہ کی صورت میں جس سے صدر اول کے مسلمان سرفراز ہوئے۔''

''مقصدِ جنگ اور شعار معرکہ کو مسخ کرنے کی مثال آج ہمیں بین الاقوامی عیسائیت کی اس کوشش میں نظر آتی ہے، جو ہمیں اس فکری جنگ کے بارے میں طرح طرح کے فریبوں میں مبتلا کرنے کے لیے صرف ہو رہی ہے اور تاریخ کو مسخ کر کے یہ افترا پردازی کی جا رہی ہے صلیبی جنگوں کے پس پردہ سامراجی حرص کارفرما تھی، یہ سراسر جھوٹ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سامراج جس کا ظہور ان جنگوں کے بہت بعد ہوا ہے وہ صلیبی روح کا آلہ کار بنا رہا ہے۔ کیونکہ یہ صلیبی روح جس طرح قرون وسطیٰ میں کھل کر کام کرتی رہی ہے اس طرح اب وہ بغیر نقاب کے نہیں آسکتی تھی۔ یہ عقیدۂ اسلام کے ان معرکوں میں پاش پاش ہو چکی تھی جو مختلف النسل مسلمان رہنماؤں کی قیادت میں برپا ہوئے۔ ان میں صلاح الدین اور خاندانِ ممالیک کے توران شاہ کُردی تھے۔ ان لوگوں نے اپنی قومیتوں کو فراموش کر کے صرف عقیدہ اور نظریہ ہی کو یاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھا۔اور عقیدہ ہی کی بدولت وہ ان کامیابیوں سے ہم کنار ہوئے۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنهُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (۲۸)۔۔(اللہ تعالیٰ کا فرمان بالکل سچا ہے،اور یہ جعل ساز اور فریب پیشہ لوگ جھوٹے ہیں)۔(۲۹)

اگر طوالت دامن گیر نہ ہوتی تو ہم سید قطب کی نثر کی اس قسم کی مزید مثالیں پیش کرتے جسے آج کی اصطلاح میں ''دینی نثر'' اور ''النثر الاجتماعی'' کہا جاتا ہے۔خصوصاً ہم ان کی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' کی نمایاں ادبی خصوصیات کا جائزہ لیتے لیکن مذکورہ مثالوں سے ان کی دینی اور معاشرتی نثر کا اسلوب واضح ہو چکا ہے۔اس لیے اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔

سید قطب کے بارے میں جو کتب لکھی گئیں ان میں سے چند یہ ہیں:

- سید قطب اوثورة الفکر الاسلامی از محمد علی قطب
- سید قطب حیاته وادبه، از عبدالباقی محمد حسن
- العالم الربانی الشهید سید قطب از عبد العشماوی احمد سلیمان.
- سید قطب: خلاصة حیاته ومنهاجه فی الحرکه والنقد الموجه الیه از احمد توفیق برکات،دارالدعوة،بیروت
- سید قطب الشهید الحرّاز، دکتور صلاح عبدالفتاح الخالدی،مکتبة الاقصی،عمان،اردن،ط: ۱۴۰۲ھ،۱۹۸۱ء
- امریکا من الداخل بمنظار سید قطب، از صلاح عبدالفتاح الخالدی
- سید قطب من المیلاد الی الاستشهاد از صلاح عبدالفتاح الخالدی
- سید قطب من القریة الی المشنقة از عادل حموده
- مذبح الاخوان فی سجون ناصر از جابر رزق
- مع سید قطب فی فکرة السیاسی،والدین ازمهدی فضل الله
- سید قطب وتراثه الادبی والفکری از ابراهیم عبدالرحمن البلیهی
- سید قطب الادیب الناقد:عبدالله عوض الخباض
- دیوان سید قطب: جمع وتحقیق،عبد الباقی محمد حسن.
- سید قطب: صفحات مجهولة از محمد سید برکة
- من اعلام الحرکة الاسلامیة از المشار عبدالله العقیل
- سید قطب ومنهجه فی الدعوة از بدیر محمد بدیر، دار نورالاسلام، مصر ۱۴۲۳ھ،۲۰۰۲ء
- سید قطب شهید:حیات وخدمات از ڈاکٹر عبیدالله فهد صلاحی وڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری،ط: منشورات،منصوره،لاهورطبع اول ۱۹۹۹ء (اردو)

☆ Great Muslims of the 20th Century: Sayyad Qutb by Dr. Ahmed El-Kadi.

☆ Sayyad Qutb - biography by Ted Thornton.

☆ Sayyad Qutb and his Influence, interview with Professor Ibrahim Abu-Rabi, 8 November 2001.

☆ Remembering Sayyad Qutb by Zafar Bangash.

☆ Sayyad Qutb and the Origins of Radical Islamism By John Calvert

☆ Man, Society, And Knowledge In The Islamist Discourse Of Sayyad Qutb Virginia Polytechnic

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Institute and State University (April, 1998) by Ahmed Bouzid,

☆ The Thought of Sayyad Qutb: Radical Islam's Philosophical Foundations by Loboda, Luke,

☆ Sayyad Qutb's Milestones by Swenson, Elmer

مراجع وحواشی

(۱) صلاح عبدالفتاح الخالدي، سید قطب الشهيدالحی ص:۵۴،طبع اول: ۱۴۰۱ھ۔۱۹۸۱ء الاقصی، عمان، اردن، برقی پتا: http://www.maktbtna2211.com/book/7927

(۲) سید قطب شہید (حیات وخدمات)،عبیداللہ فہد،محمد صلاح الدین عمری،طبع اول:منشورات،منصورہ ملتان روڈ،لاہور، جولائی ۱۹۹۹ء

(۳) سید قطب من المیلاد الی الاستشهاد، صلاح عبدالفتاح الخالدي، ص:۱۶،طبعہ: دوئم: ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۴ء، ناشر: دار القلم-الدار الشامیۃ، برقی پتا: http://majles.alukah.net/search.php?searchid=67538

(۴) نفس مصدر ص:۱۰۸

(۵) جادہ ومنزل ترجمہ: معالم فی الطریق، از سید قطب شہید رحمہ اللہ، مترجم: خلیل احمد حامدی، ص:۲۴۔۲۶، طبعہ:۱۸، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیوٹ) لمٹیڈ، اشاعت: جولائی ۲۰۰۵ء

(۶) یوسف العظم، الشہید سید قطب، ص۵۰۔۵۱، دار القلم بیروت، طبع اول:۱۴۰۰ھ۔۱۹۸۰ء

(۷) سید قطب شہید (حیات وخدمات) عبیداللہ فہد،محمد صلاح الدین عمری، ص:۲۷،طبع اول: منشورات،منصورہ ملتان روڈ، لاہور، جولائی ۱۹۹۹ء

(۸) معالم فی الطریق، از سید قطب، ص:۲۔۵،طبعہ، دہم، دار الشروق، بیروت،۱۴۰۳۔۱۹۸۳ء

(۹) اسلامی تصور کی خصوصیات اور اسکی بنیادیں، اللہ، انسان، کائنات اور حیات کے بارے میں اسلام کا نکتۂ نظر) اسکا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۷ء (۱۳۷۸ھ) میں شائع ہوا، اس کا اردو ترجمہ سید شہید احمد نے کیا جو کہ اسلامک بک پبلشرز لاہور نے شائع کیا

(۱۰) سید قطب شہید (حیات وخدمات) عبیداللہ فہد،محمد صلاح الدین عمری، ص:۱۷۵۔۱۸۵

(۱۱) التصویر الفنی فی القرآن کا انتساب، جادہ ومنزل ترجمہ: معالم فی الطریق، از سید قطب شہید رحمہ اللہ، مترجم: خلیل احمد حامدی، ص:۱۷، طبعہ:۱۸، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیوٹ) لمٹیڈ، اشاعت: جولائی ۲۰۰۵ء

(۱۲) القرآن سورۃ الحج:۱۱ (۱۳) القرآن سورۃ الاعراف ۱۷۵۔۱۷۶

(۱۴) قرآن مجید کے فنی محاسن از سید قطب شہید، ترجمہ از غلام احمد حریری، ص:۱۵۔۱۶، فیصل اسلامک ریسرچ سنٹر، فیصل آباد

(۱۵) نفس مصدر، ص:۱۶۔۱۷

(۱۶) جادہ ومنزل ترجمہ معالم فی الطریق، از سید قطب شہید رحمہ اللہ، مترجم خلیل احمد حامدی، ص:۷۷

(۱۷) ایضاص:۳۔۱۱ (۱۸) نفس مصدر ص:۶۵۔۶۷ (۱۹) نفس مصدر ص:۶۷۔۶۸

(۲۰) القرآن سورۃ البقرہ:۲/۳۰ (۲۱) القرآن سورۃ الذاریات:۵۶ (۲۲) القرآن سورۃ آل عمران:۳/۱۱۰

(۲۳) القرآن سورۃ البقرہ:۲/۱۴۳ (۲۴) جادہ ومنزل ترجمہ معالم فی الطریق، از سید قطب شہیدؒ، مترجم خلیل احمد حامدی، ص:۶۸۔۷۰

(۲۵) نفس مصدر ص:۷۰۔۷۲ (۲۶) نفس مصدر ص:۷۲۔۷۳ (۲۷) القرآن سورۃ البروج:۸

(۲۸) نفس مصدر (۲۹) جادہ ومنزل ترجمہ معالم فی الطریق، از سید قطب شہیدؒ، مترجم خلیل احمد حامدی، ص:۴۳۳۔۴۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستان کے استحکام میں میمن برادری کا کردار

اسماعیل موسیٰ*

ABSTRACT:

Establishment of All India Muslim League (1906) was good news for the Muslims of the sub-continent. Mercurial leadership of Quaid-e-Azam not only fought with the British but also dealt sagaciously with intrigues of Congress - the Hindu representative political party. A new history was written for the Indian Muslims on August 14, 1947 when Pakistan emerged on the world map. The journey, after the creation of Pakistan, started with extreme helplessness. This new - born state faced many problems that included: problem in the distribution of resources and assets between India and Pakistan, administration problem, problem of annexation of Kashmir and Junagarh state and many others. But the nation was strong and united under the leadership of Quaid-e-Azam. Every individual and community contributed its share in stabilizing Pakistan and this helped in solving basic problems. Memon community was on the top of the list that contributed generously. It is lamentable that there is no mention of the Memon Community's contribution to Pakistan in the history books. In this research article, the role of Memon community in the establishment of Pakistan is discussed.

ابتدائیہ:

اگست ۱۹۴۷ء کو جدوجہد آزادی کا ایک باب مکمل ہوگیا اور دنیا کے نقشے پر مملکتِ خداداد پاکستان کے نام سے ایک نئی ریاست اُبھری پاکستان کا قیام مسلمانانِ برصغیر کی عظیم انقلابی تحریک کی اہم منزل تھی جسے حاصل کرنے کے بعد ایک نئے سفر کا آغاز ہوا وطن عزیز کو نظریہ پاکستان کے مطابق ایک ترقی یافتہ اور خوشحال مملکت بنانے کا سفر' ایک ایسی مملکت جو اسلامی اخوت ومساوات' عدل واحسان' مروت ورواداری' اتحاد واتفاق اور حقوق العباد کی تعظیم وتکریم کا بہترین نمونہ ہو لیکن اس سفر کی ابتداء نہایت کٹھن اور مشکل تھی، جس بے سروسامانی میں اس سفر کا آغاز کیا گیا' انگریزوں اور ہندوؤں نے مملکت خداداد کو ناکام ریاست بنانے میں جو جو سازشیں کیں وہ برصغیر کی تاریخ کا سیاہ ترین باب کہلانے کا مستحق ہے۔ انتظامی مسائل' کشمیر کا مسئلہ' افواج کی تقسیم اثاثہ جات کی تقسیم' غرض ہر طرح سے بھرپور کوششیں کی گئیں کہ مملکتِ خدادادِ پاکستان زیادہ عرصے تک دنیا کے نقشے پر قائم نہ رہ سکے لیکن قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے رفقائے کار نے ان مسائل کے حل کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ قائد کی ان کوششوں میں میمن کمیونٹی نے بھی اہم کردار ادا کیا۔

* ڈاکٹر، چیئرمین شعبہ سیاسیات، وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس، کراچی　برقی پتا: dr.im62@hotmail.com

تاریخِ موصولہ: ۱۶رفروری ۲۰۱۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میمن برادری کی ہجرت:

عبدالستار ایدھی بیان کرتے ہیں:

''جناح صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ہندوستان میں رہ جانے کا ہمارا (میمن کمیونٹی) کا فیصلہ بھارت کے لیے مفید اور پاکستان کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا کیونکہ اس طرح پاکستان' میمن برادری کے انتہائی تجربہ کار کاروباری طبقے سے محروم ہوجائے گا۔ ممتاز سیاسی رہنما یوسف ہارون جو خود بھی نسلی طور پر ایک کچھی میمن تھے' انہوں نے بھی کاٹھیاواڑ کے مختلف قصبات میں بڑی بڑی ریلیوں اور جلسے جلوسوں میں میمن برادری کو یقین دلایا کہ ان کے لیے پاکستان جانا ہر لحاظ سے بہتر رہے گا۔ چنانچہ میمن لوگوں نے محمد علی جناح کے نظریات سے اتفاق کرتے ہوئے ہندوستان چھوڑنے اور پاکستان جا کر آباد ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ بعدازاں ایک متعصب ہندو سیاستدان 'ولبھ بھائی پٹیل' کے اکسانے پر ہندوؤں نے بانٹوا کو اپنی بربریت کا نشانہ بھی بنایا۔ مسلمانوں پر حملے اور انہیں خوف زدہ کر کے یہ جتلایا جارہا تھا کہ بھارت میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی۔ خونریزی اور تشدد کے مزید واقعات کے نتیجے میں امن پسند میمن برادری نے نئے وطن کی جانب ہجرت کا جو حتمی فیصلہ کیا تھا میرے والد بھی اس میں شامل تھے۔ ان کا کہنا تھا۔

''ہمیں پاکستان چلے جانا چاہیے کیونکہ آزادی کے بعد ہم ہندوستان میں ایک خودمختار قوم کی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکیں گے'' انہیں جو بھی ملتا اسے سمجھاتے ''ہمیں پاکستان میں باعزت زندگی گزارنے کے بہت سے مواقع ملیں گے۔ اور ہم پر رام راج کی جگہ اسلام کے منصفانہ قوانین کی حکمرانی ہوگی۔

لوگ یہ باتیں سن کر بڑی آسانی کے ساتھ پاکستان میں ایک محفوظ مستقبل کے لیے ہجرت پر آمادہ ہوگئے''۔(۱)

تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی مسلمان مہاجرین کی آمد شروع ہوگئی ایک اندازے کے مطابق ساٹھ لاکھ افراد مختلف علاقوں سے پاکستان پہنچے۔ وہ مسلمان جو صدیوں سے اپنے آبائی علاقوں میں رہائش پذیر تھے انہیں مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت کی سزائیں دی جارہی تھیں۔ ان پر زندگی تنگ کردی گئی۔ ہندوؤں اور سکھوں کے مسلح گروہ ان کے مال و دولت' عزت و آبرو کے دشمن بنے ہوئے تھے اس لیے مسلمان مجبوراً ان علاقوں کو خیرباد کہہ کر پاکستان کا رُخ کررہے تھے۔ ریاست ہائے کاٹھیاواڑ اور گجرات کے میمن کسی طور پر مجموعی آبادی کا ۱۵٪ سے زائد نہ تھے لیکن ان کی واضح اکثریت قائداعظم کو اپنا قائد اور مسلم لیگ کو اپنی سیاسی جماعت تصور کرتی تھی۔ ۱۹۴۰ء کے بعد جب قائداعظم نے ''پریس فنڈ'' کے لیے ان علاقوں کا دورہ کیا تو ان کا رشتہ قائد سے اور مضبوط ہوگیا۔ ''پریس فنڈ'' میں میمن کمیونٹی کے فراخدانہ عطیہ نے ان کی شہرت کو بام عروج تک پہنچا دیا اور وہ برصغیر کے طول و عرض میں پہچانے جانے لگے اس کا اثر یہ ہوا کہ کانگریس اور ہندوؤں نے میمن کمیونٹی کو اپنا سیاسی حریف سمجھنا شروع کردیا۔ عثمان بھائی عیسیٰ بھائی کی ولولہ انگیز قیادت نے ہندوؤں کو سیاسی چال چلنے کا کوئی موقعہ نہ دیا اگر کوئی سیاسی چال ولبھ بھائی پٹیل اور گاندھی جی نے چلی تو انہوں نے دیگر میمن اکابرین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تعاون سے اسے ناکام بنادیا۔ کانگریس اور ہندو خود مختار ریاستیں ہونے کی وجہ سے کھل کر میمنوں کے خلاف کوئی قدم اٹھا نہ سکتے تھے۔ جب تقسیم ہند کا اعلان ہوا تو جونا گڑھ، گجرات اور کاٹھیاواڑ کی ریاستوں پر بھارت نے غاصبانہ قبضہ کرلیا تو ان ہندوؤں کو کھل کر اپنا مکروہ کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ ہندوؤں نے میمنوں کی بستیوں پر منظّم حملے کیے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے لیے میمن برادری کی دل میں نرم گوشہ تو تھا ہی اور پھر جونا گڑھ کا مسئلہ پیدا کر کے ولبھ بھائی پٹیل نے کاٹھیاواڑ کے حالات بھی خراب کرنے شروع کردیے۔ بانٹوا، کتیانہ، جیت پور اور دیگر علاقے بدنظمی کی لپیٹ میں آ گئے۔ کاروباری حالات بدتر ہوتے چلے گئے۔ عبدالرزاق تھاپلا والا بانٹوا کی صورتحال کی منظرکشی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> ''۱۵ نومبر ۱۹۴۷ء کو رات کے نصف شب کے وقت بانٹوا کی آبادی پر حملہ کردیا گیا۔ لوٹ مار کرنے والوں کا تعلق قریب و جوار کے دیہات سے تھا انہوں نے میمنوں کے گھروں کے دروازے توڑ ڈالے اور ہر ہاتھ لگنے والی چیز کو اٹھا کر لے گئے جس میں نقدی، زیورات اور قیمتی ملبوسات شامل تھے۔ گھروں کے مکین چپ چاپ اس لوٹ مار کو دیکھتے رہے۔ ایک مسلم اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی مدد بھی نہیں کرسکتا تھا کیونکہ انڈین آرمی نے اس پورے علاقے پر رات کا کرفیو نافذ کردیا تھا۔ بانٹوا اور کتیانہ کے میمنوں نے اپنی دکانیں اور گھر چھوڑ ردیے اور ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے۔ اگلے ۱۵ روز میں بانٹوا اور کتیانہ کی ۹۰٪ آبادی نے اپنی جائے پیدائش اور اپنے بزرگوں کی زمین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور پاکستان آ گئی۔ کتیانہ اور بانٹوا کی میمن برادری نے جو غلطی کی تھی اس سے دوسرے شہروں اور قصبوں دھوراجی، جیت پور، گونڈل، اوپلیٹا، مانگرول اور جام نگر وغیرہ کے میمنوں نے بھی عبرت حاصل کی اور یہ سمجھ لیا تھا کہ اب ان کے لیے اپنے قدیم اور آبائی شہروں میں رہنا مناسب ہے اور نہ محفوظ۔ اس لیے ان کی اکثریت نے پاکستان ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا اور اس نومولود مملکت میں چلے آئے''۔(۲)

میمن کمیونٹی کاروباری طبقے سے تعلق رکھتی تھی اتنے بڑے پیمانے پر لوٹ مار کا مقابلہ کرنا ان کے بس میں نہ تھا، علاوہ ازیں وہ ان علاقوں میں اقلیت میں تھی چنانچہ انہوں نے ہجرت کا فیصلہ کیا۔ اس لوٹ مار کے اگلے روز جب چند گھنٹوں کے لیے کرفیو میں نرمی کی گئی تو بانٹوا کے تمام مکین بانٹوا کے (زاپا) صدر دروازے کے باہر بازار میں جمع ہو گئے۔ ظاہر ہے سبھی خوف زدہ اور پریشان تھے۔ حالانکہ اس دوران کوئی خون ریزی یا قتل و غارت گری نہیں ہوئی تھی مگر جس طرح سکھ فوجیوں کی موجودگی میں بانٹوا کے مسلمانوں کے مکانات پر حملے ہوئے تھے انہوں نے اہل بانٹوا کو ہراساں کردیا تھا۔ وہ سبھی لوگ یہ طے کر چکے تھے کہ فوری طور پر یہ جگہ چھوڑ کر پاکستان چلے جائیں اس فیصلے کے نتیجے میں کم و بیش ۲۵ ہزار مسلمانوں نے جن میں اکثریت میمنوں کی تھی پاکستان ہجرت کا فیصلہ کرلیا صرف تین روز کے اندر اندر بانٹوا کے رہنے والوں نے بمبئی یا پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوکھا کی طرف روانگی اختیار کی جہاں سے بحری جہازوں کے ذریعے وہ سب پاکستان چلے گئے۔(۳)

بانٹوا کے میمن حضرات لاکھوں روپے کا کاروبار کرتے تھے۔ان کا کاروبار دور دور تک پھیلا ہوا تھا اتنے بڑے پیمانے پر ہونے والے کاروبار کو سمیٹنا اور راتوں رات کسی دوسری جگہ منتقل ہونا ان کے لیے ناممکن امر تھا لیکن حالات کچھ ایسی نہج پر پہنچ چکے تھے کہ انہیں کروڑوں کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔عصمت علی پٹیل بانٹوا کی ایک جھلک ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''بانٹوا ہندوستان کی تجارت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔اس کی تجارت ملک کی حدود سے نکل کر دوسرے ملکوں تک جا پہنچی تھی اور بانٹوا دوسری اقوام کے لیے اجنبی نہ رہا تھا۔بانٹوا میں آزادی سے پہلے کے صاحب ثروت حضرات میں کئی خاندان بھی شامل تھے۔حسین قاسم دادا کی ۲۸ لاکھ روپے کی غیر منقولہ جائیداد بانٹوا میں ہی تھی۔اس خاندان کی ہندوستان میں ۱۰۲ کاروباری شاخیں تھیں جن میں سے دس کے سوا باقی سب ہندوستان میں تھیں۔اس کے علاوہ مختلف بینکوں اور صنعتی اداروں میں دادا فیملی کے ۵۰ لاکھ روپے نقد اور حصص بھی تھے۔دادا خاندان کو پاکستان کے قیام کے بعد ان کی ساری املاک اور اثاثوں کا معاوضہ نہیں دیا گیا۔اس کے علاوہ دوسرے سرکردہ خاندانوں کی بھی کروڑوں روپے کی جائیداد نقدی تجارتی سامان اثاثے اور حصص ہندوستان میں ہی ضبط ہو گئے''۔(۴)

بانٹوا کی طرح ہندو انتہا پسندوں نے میمن آبادی والے شہر کتیانہ میں بھی خون کی ہولی کھیلی۔۱۹۴۷ء کی شام کتیانہ کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہ تھی جب ریاست پر بھارت کا قبضہ ہوا اس کے بعد لوٹ مار کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔اس دوران کھلے عام مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی۔قرآنِ مجید کو آگ لگائی گئی۔دکانوں کے تالے توڑے گئے اور مال واسباب کو لوٹا گیا۔جان و مال عزت و آبرو کو پامال کیا گیا۔لیکن دہشت گردوں کو لگام دینے والا کوئی نہ تھا۔کتیانہ کی تین اطراف کی سرحدیں ہندو ریاستوں سے ملتی تھیں چوتھی طرف منگرول' ماناودر کی سرحدیں تھیں جن پر بھارتی فوج پہلے ہی قبضہ کر چکی تھی۔چنانچہ ان کی مدد کرنے والا بھی کوئی نہ تھا جس نے بھی تھوڑی بہت مزاحمت کی اسے گولیوں کا نشانہ بننا پڑا۔اس بربریت اور انسان سوز واقعات نے میمنوں کی کمر توڑ دی ان کے لیے وہاں رہنا مشکل ہو گیا۔نزدیکی ہندو ریاست پور بندر کے حالات کچھ بہتر تھے چنانچہ میمنوں نے پور بندر میں پناہ لی۔وہاں کے مسلمانوں اور افسران نے ان کی کافی مدد کی۔

کم و بیش ایسی ہی حرکتیں ویراول' چورواڑ' مالیا' بگیرا' وتھلی' راجکوٹ' گونڈل' اُپلیٹا' جوناگڑھ اور اس سے ملحقہ ریاستوں یعنی مانگرول' ماناودر اور سردار گڑھ اور دیگر علاقوں میں بھی ہوئیں چنانچہ بڑی تعداد میں میمن کمیونٹی نے پاکستان ہجرت کی۔(۵)

بمبئی ویراول اور اوکھا پورٹ میمن کمیونٹی کی ہجرت کے اہم راستے تھے۔سمندری راستہ ہونے کی وجہ سے دوران سفر مہاجرین لوٹ مار سے محفوظ رہے۔اوکھا پورٹ سے کراچی تک کا سفر بمشکل ۱۲ گھنٹوں میں طے ہوتا تھا جبکہ ویراول سے تین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روز میں یہ سفر مکمل ہوتا تھا۔اوکھا منڈل میں رہائش پذیر میمن کمیونٹی نے ان مہاجرین کی دل کھول کر مدد کی اور انہیں تمام سہولیات بہم پہنچائی اور مہاجرین کی دلجوئی کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔عبدالرزاق تھاپلا والا بھی ایسے ہی ایک مسافر تھے جنہوں نے اوکھا پورٹ سے ہجرت کی۔اپنی آپ بیتی میں اوکھائی میمن برادری کے حسنِ سلوک کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

''رات دس بجے گاڑی اوکھا اسٹیشن پر پہنچی، ہم سامان اتار ہی رہے تھے کہ میمن برادری کے خدمت گار آ پہنچے اور پوچھنے کے بعد سامان پانچ بیگ کی رسید لکھ دی اور کہا کہ اسٹیشن کے باہر تانگے موجود ہیں آپ لوگ اس میں بیٹھ جائیں۔میمن برادری کے اور لوگ بھی تھے۔سب ہی لوگوں کا سامان بحفاظت تانگے میں رکھ دیا گیا اور ہمیں اوکھا کے مدرسے میں پناہ دی اور کچھ دیر بعد ہمارا سامان بھی آ گیا۔ مدرسے میں پہلے سے ہی تقریباً دوسو افراد موجود تھے۔وہاں پتا چلا کہ دوسرے دن کراچی کے لیے سرسوتی جہاز روانہ ہوگا۔دوسرے دن صبح ٹکٹ مل گئے۔شام چھ بجے اوکھا پورٹ سے جہاز روانہ ہوا اور دوسرے دن صبح چھ بجے منوڑہ کی روشنی کا مینار نظر آیا اس موقع پر میں اوکھا میمن برادری کی جتنی تعریف کروں وہ کم ہے۔اوکھا میں لوگوں کے قافلے پاکستان کی طرف روانہ ہو رہے تھے ان تمام لوگوں کو اسٹیشن سے مدرسے تک لے کر جانا، ان کا سامان حفاظت سے پہنچانا، ان کی رہائش کا بندوبست کرنا اور کھانے پینے کا انتظام کرنا بغیر کسی معاوضے کے، اگر کسی کے پاس گنجائش نہ ہو تو ٹکٹ کے پیسے بھی دینے۔ایسی عمدہ خدمت کرنے پر اوکھا کے میمن لوگوں کو بہت بہت سلام۔''(۶)

میمن کمیونٹی کے اکابرین کا جذبہ ایثار اور قربانی ان حالات میں بھی ماند نہیں پڑا بلکہ اس قیامتِ صغریٰ کے وقت بھی میمن کمیونٹی خدمتِ خلق کے جذبے سے شرابور تھی۔اوکھا بہت بڑا شہر نہ تھا کہ ہزاروں مہاجرین کی کفالت کر سکتا چنانچہ چند دنوں ہی میں اناج کی سخت قلت پیدا ہوگئی اس کا حل میمن کمیونٹی نے یہ نکالا میمن برادری کے جو افراد پہلے کراچی پہنچے انہوں نے کراچی کے میمنوں کے ساتھ مل کر ایک پروگرام ترتیب دیا چونکہ کراچی پہنچنے والی اسٹیمر (پانی کے جہاز) واپس اوکھا خالی جاتے تھے اس لیے انہوں نے ان خالی جہازوں میں ڈبل روٹی اور دوسری خوراک بھیجنی شروع کر دی تاکہ مہاجرین کو بھوک کا سامنا نہ کرنا پڑے۔(۷)

علاوہ ازیں بڑے بڑے سرمایہ کار آگے بڑھے اور انہوں نے میمن کمیونٹی اور دیگر مہاجرین کی مشکلات اور رکاوٹیں دور کرنے کی کوشش کی اور انہیں بخیریت پاکستان پہنچانے کے لیے ہر ممکن تعاون کیا ان میں بالخصوص سیٹھ حاجی حبیب پیر محمد کلکتہ والے سرفہرست نظر آتے ہیں ان کی پاکستان سے محبت اظہر من الشمّس ہے عصمت علی پٹیل لکھتے ہیں۔

ہجرت کر کے پاکستان آنے والے مہاجرین کی دیکھ بھال اور ان کو بلا امتیاز سہولیات بہم پہنچانا انہوں نے اپنا نصب العین بنا لیا تھا وہ بلا ناغہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچ جاتے تھے۔بھارت سے آنے والے مہاجرین کو اپنے گلے سے لگا کر ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلوں میں اپنائیت کا احساس پیدا کرتے تھے۔ مہاجر کیمپوں میں مصیبت زدگان سے ملاقات ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ یہاں ایک بات کا ذکر کرنا ضروری ہے جس سے اکثر لوگ آج تک بے خبر ہیں قیام پاکستان کے بعد بمبئی سے کراچی آنے والے مہاجر عموماً بی۔ آئی کمپنی (برٹش انڈیا کمپنی) کے بحری جہازوں کے ذریعے سفر کرتے تھے اور برٹش انڈیا کمپنی کو یہ شکایت تھی کہ اکثر مہاجرین بحری جہاز میں بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہیں۔ یہ شکایت سیٹھ حبیب تک بھی پہنچی تو انہوں نے برٹش انڈیا کمپنی سے دریافت کیا کہ جہاز میں اب تک کتنے مسافروں نے بغیر ٹکٹ سفر کیا ہے۔ بحری کمپنی کی انتظامیہ نے بتایا کہ اب تک پندرہ سو مسافر بغیر ٹکٹ سفر کر چکے ہیں اس وقت سیٹھ صاحب نے کمپنی کو جواب دیا کہ ’’مسافروں کی تعداد پندرہ سو ہو یا اس سے بھی زیادہ۔ آپ کسی سے ٹکٹ طلب نہ کریں ایسے تمام مسافروں کے سفری اخراجات کا بل مجھ سے وصول کیا جائے۔ کمپنی نے سیٹھ صاحب کو ۲۲ ہزار کا بل پیش کیا جسے سیٹھ صاحب نے فوراً ادا کر دیا۔ بعد میں سیٹھ صاحب کو کمپنی نے اطلاع دی کہ کمپنی کے صدر دفتر نے یہ رقم خود ادا کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور سیٹھ صاحب کا چیک شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا گیا۔(۸)

قیام پاکستان سے پہلے میمن کمیونٹی کے ہزاروں افراد معاشی لحاظ سے نہایت ہی مستحکم تھے لیکن ہندوؤں کی لوٹ مار اور ہجرت نے انہیں مفلس اور کمزور کر دیا تھا۔ ہزاروں میمنوں کو اپنا گھر بار، کاروبار اور کروڑوں روپے کی املاک چھوڑ کر پاکستان آنا پڑا۔ اس ہجرت کے نتیجے میں میمن کمیونٹی کو کتنا نقصان پہنچا اس کا تخمینہ لگانا تو ناممکن ہے لیکن ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ نقصان اربوں روپے تک جا پہنچا تھا۔

کاٹھیاواڑ و گجرات کی مختلف ریاستوں میں مسلم و ہندو ثقافت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اور میمن کا رسم الخط گجراتی ہونے کے ساتھ ان کی رسومات میں بھی مطابقت پائی جاتی تھی جن میں بالخصوص شادی بیاہ کی رسومات قابلِ ذکر ہیں۔ بزرگانِ دین سے محبت اور عقیدت وہ جذبات تھے جو ان میں مشترکہ تھے۔ گجراتی ادب میں بزرگانِ دین سے عقیدت بھرے اشعار اس کا واضح ثبوت ہے۔ یہ دونوں طبقے ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتے اور باہم شیر و شکر تھے علاوہ ازیں ہندوؤں کی اکثریت میمن تاجران کے پاس ملازمت اختیار کیے ہوئے تھی یعنی ان کے بود و باش کے اخراجات میمن تاجران کی وساطت سے پورے ہوتے تھے ان کا باہمی تعلق چند دنوں یا مہینوں کا نہ تھا بلکہ یہ سلسلہ سالہا سال سے چل رہا تھا۔ پھر وہ کیا وجوہات تھیں کہ تقسیم ہند کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی ہندو میمنوں کے خون کے پیاسے ہو گئے اور انہیں ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔ محقق اس رائے پر پہنچا ہے کہ اس کی واحد وجہ قائداعظم کی شخصیت تھی۔ میمن کمیونٹی قائداعظم کو نہ صرف اپنا سیاسی رہنما تصور کرتی تھی بلکہ قائداعظم بھی اس کمیونٹی سے دلی عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۹۴۰ء کے بعد یہ رشتہ اور مضبوط ہوتا چلا گیا جب قائداعظم نے ان ریاستوں کا دورہ کیا اور واضح اعلان کیا کہ ان ریاستوں کی اقلیت (میمن کمیونٹی) کے مفادات کے تحفظ کے لیے برصغیر ہند ۹ کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ ہندوؤں کی میمن کمیونٹی سے کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی لیکن قائداعظم کے انتخابی منشور اور ان کی شخصیت ہندوؤں کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی اور فطری اصول کے تحت ’’دشمن کا دوست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دشمن ہوتا ہے'' میمن برادری اور ہندوؤں کے درمیان خلیج پیدا ہوتی چلی گئی اور ان سات برسوں میں (۱۹۴۰۔۱۹۴۷ء) اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور یہ لاوا تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی پھٹ پڑا۔ میمن کمیونٹی کو قائداعظم اور مسلم لیگ کی حمایت کی انہوں نے ایسی سزا دی کہ جس سے میمن کمیونٹی کو اربوں روپوں کی جائیداد اور اپنے کاروبار سے ہاتھ دھونا پڑا اس بلوے اور فساد میں سب سے زیادہ نقصان درمیانے طبقے اور نچلے طبقے کے افراد کو ہوا کیونکہ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ پاکستان کی محبت کی نذر ہو گیا۔ وہ بے دست و پا ہو کر رہ گئے لیکن پاکستان سے محبت اور قائداعظم سے عقیدت سے ان کی جھولیاں بھری ہوئی تھیں اسی عقیدت اور محبت کے سائے تلے انہوں نے پاکستان ہجرت کی۔

میمن ریلیف کمیٹی کی خدمات:

میمن کمیونٹی کے وہ افراد جو چند ماہ پہلے امیر شمار کیے جاتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے فقیر ہو گئے زکوٰۃ بانٹنے والے زکوٰۃ لینے پر مجبور ہو گئے۔ میمن کمیونٹی کے قافلے جوق در جوق پاکستان کی طرف رواں دواں ہونے لگے پاکستان میں انہوں نے کراچی کو اپنا بسیرا بنایا کیونکہ سمندری راستے کی وجہ سے ان کا پہلا پڑاؤ کراچی تھا۔ علاوہ ازیں یہاں میمن کمیونٹی پہلے ہی سے آباد تھی۔ کراچی کی میمن برادری نے مہاجرین کو خوش آمدید کہا اور ان کی آبادکاری اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے لیے نمایاں کارہائے سرانجام دیے اور مختلف ریلیف کمیٹیاں قائم کر کے ان کی مشکلات کو کم کرنے کی کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں ''میمن ریلیف کمیٹی'' کا کردار بالخصوص نمایاں رہا ساتھ ہی اوکھائی میمن جماعت نے جماعت کی سطح پر ایک ریلیف کمیٹی تشکیل دی اور مہاجرین کو ہر ممکن مدد فراہم کی۔ بانٹوا میمن جماعت کا بھی کردار قابلِ تحسین رہا جن کے رضا کاروں نے ریلیف کے کاموں میں نمایاں کردار ادا کیا۔

تقسیمِ ہند کے بعد میمنوں کا پہلا جلسہ عام بمبئی بازار کراچی میں منعقد ہوا جہاں مہاجرین کی آبادکاری پر غور کیا گیا اس اجلاس میں ''میمن ریلیف کمیٹی'' کے قیام کا باقاعدہ اعلان ہوا اس کمیٹی میں عثمان بھائی عیسٰی بھائی بھی بحیثیت نائب صدر شامل تھے۔ انہوں نے اور ان کی ٹیم نے میمن مہاجرین اور دیگر مہاجرین کے لیے ککری گراؤنڈ کے علاوہ مختلف مقامات پر عارضی کیمپ قائم کیے جن میں ضروریات زندگی اور کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا اس کے علاوہ جب مہاجرین کے لیے کھوکھراپار کی سرحد کھولی گئی تو اس وقت کھوکھراپار میں بھی کیمپ قائم کیے گئے وہاں کے انتظام کے لیے رضاکار کراچی سے بھجوائے گئے۔ جنہوں نے آنے والوں کی دیکھ بھال کی۔ انہیں خوراک اور دیگر ضروریات فراہم کیں اور کراچی تک پہنچانے کا مناسب انتظام کیا۔(۹)

کراچی میں مہاجرین کی آبادکاری میں اوکھائی میمن جماعت نے جماعتی سطح پر ایک ریلیف کمیٹی قائم کی جس کی قیادت جماعت کے صدر آدم سلیمان غازیانی اور قاسم سلیمان ویانی نے کی۔ ریلیف کمیٹی نے اوکھائی میمن اسکول کھارادر، اگیزینڈر اسکول، مدرسہ اسلامیہ نمبر۱، مدرسہ اسلامیہ نمبر۲ میں کیمپ قائم کیے ان کیمپوں میں بلاتفریق تمام مہاجرین کو رہائش،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوراک اور دیگر ضروریات کی فراہمی یقینی بنائی گئی۔(۱۰)

ریلیف کمیٹی کے قیام اور اسے منظّم طریقے سے چلانے کے لیے ابتدائی امداد میں بانٹوا کی میمن برادری کا بھی بہت بڑا حصہ تھا اس نیک کام میں حصہ لینے والوں میں دادا لمیٹیڈ کے یوسف دادا' سیٹھ قاسم دادا' حاجی احمد حاجی عیسیٰ قاسم دادا اور حاجی سلیمان دیوان کے علاوہ کئی رضا کاروں کی خدمات بھی قابلِ تعریف ہے۔(۱۱)

ان ریلیف کمیٹیوں کو مالی بحران کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ ان کمیٹیوں کو با اثر اور امیر میمنوں کی پشت پناہی حاصل تھی جنھوں نے دل کھول کر مہاجرین کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے امداد فراہم کی۔ امانت دار اور محنت کش میمن کارکنان کی فوج مہاجرین کی بلا تفریق رنگ و نسل ہر طرح سہولیات پہنچارہی تھی اور ان پریشانی کے دنوں میں ان کی ہر طرح سے مدد کررہی تھی۔ مہاجرین کی آبادکاری حکومت کا اہم مسئلہ تھا میمن ریلیف کمیٹی حکومت کے امور میں ان کی معاون ومددگار تھی۔ عبدالستار پاریکھ لکھتے ہیں۔

''۱۹۴۷ء میں جب پاکستان آزاد ہوا تب وسائل بہت کم تھے علاوہ ازیں بہت زیادہ تعداد میں مہاجرین روز بروز پاکستان آرہے تھے۔ ان حالات میں میمن کمیونٹی آگے بڑھی اور تمام قسم کی مدد ان بے حوصلہ مہاجرین کو فراہم کی۔ میمن برادری نے میمن مہاجرین کی از سرنو آبادکاری کے لیے تقریباً ۲۵۰۰ گھر اور فلیٹس تعمیر کرائے اس طرح گورنمنٹ آف پاکستان کی رقم اور دیگر وسائل بچائے چونکہ پاکستان پہلے ہی مالی مشکلات کا سامنا کررہا تھا وہ کروڑوں روپے جو میمن مہاجرین کی آبادکاری پر صرف ہونے تھے وہ رقم بچائی گئی اور میمنوں کی آبادکاری کا فریضہ میمن کمیونٹی نے ادا کرکے حکومت کا بوجھ ہلکا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کی خدمات صرف میمن کمیونٹی تک محدود نہ تھی بلکہ غیر میمن مہاجرین کی بھی بھرپور مدد کی گئی اور ان کی بودوباش کا انتظام کیا گیا۔(۱۲)

حکومت پاکستان کے قوانین کی روشنی میں جو مسلمان ہجرت کرکے پاکستان آئے جنھوں نے اپنی جائیداد اور املاک ہندوستان چھوڑی انھوں نے پاکستان میں کلیم حاصل کیا اور ان جائیداد کے بدلے مملکتِ پاکستان میں جائیداد حاصل کیں۔ میمن کمیونٹی نے نوزائیدہ مملکت میں اپنی آبادکاری یا امداد کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہوا، مہاجرین کی آبادکاری میں اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت تعاون کیا۔ میمن برادری کے جماعتی نظام کی بدولت بہت جلد اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرلیا اور سرخرو ہوکر اس پریشانی اور مصیبت سے باہر نکل آئے۔

پاکستان کا مالی بحران اور میمن کمیونٹی:

مملکتِ خداداد پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سب سے اہم مسئلہ اثاثہ جات کی تقسیم کا مسئلہ تھا۔ بھارت کی یہ کوشش تھی کہ مالی طور پر مملکتِ خداداد کو اتنا مفلوج کردیا جائے کہ وہ اپنی بقاء کے چند ایام بھی پورے نہ کرسکے۔ ۱۹۴۷ء میں متحدہ ہندوستان کے پاس چار ارب روپے کا محفوظ ذخیرہ موجود تھا۔ حکومتِ پاکستان ایک ارب روپے کی دعویدار تھی جبکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھارت اسے صرف ۲۰ کروڑ روپے دینے پر آمادہ تھا لیکن وہ بھی اس صورت میں جب پاکستان کُل قرضے کا ۲۰٪ اپنے ذمہ لے لے جو کسی طور پر پاکستان کے لیے قابلِ قبول نہ تھا۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان نے بھارت کے ساتھ مذاکرات شروع کیے جس میں پاکستان کی نمائندگی وزیر خزانہ ملک غلام علی اور چودھری محمد علی نے کی۔ ان مذاکرات میں طے پایا کہ بھارت پاکستان کو نقد ۷۵ کروڑ روپے ادا کرے گا جبکہ پاکستان کا قرضوں میں حصہ ۱۷٪ ہوگا۔ مذاکرات بظاہر نتیجہ خیز ثابت ہوئے پاکستانی وفد خوشی خوشی وطن واپس پہنچا لیکن بھارت اپنی روایتی ہٹ دھرمی کا آغاز کر چکا تھا اس نے یہ رقم پاکستان کے اکاؤنٹ میں منتقل نہ کی۔ (۱۳)

کسی بھی مملکت کے روزمرہ کے اخراجات، سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی اور دیگر اخراجات کے لیے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے ان حالات میں جب ریاست کوڑی کوڑی کو محتاج ہو جائے اور بالخصوص نوزائیدہ ریاست تو ان حالات میں ریاست کا دیوالیہ ہونا قرینِ قیاس ہے۔ پاکستان کی یہ خوش نصیبی تھی کہ قائداعظم جیسی شخصیت ان کے درمیان موجود تھی ان کی ولولہ انگیز قیادت کئی نشیب و فراز سے گزر چکی تھی کانگریس اور انگریز کا بیک وقت مقابلہ کرنا اور مملکت خداداد حاصل کرنا کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔ قائد ان حالات کا مقابلہ کرنا بھی خوب جانتے تھے ان کی دوررس نگاہیں جانتی تھیں کہ مملکت خداداد پاکستان کے حصول میں میمن کمیونٹی نے جس طرح مالی تعاون کیا اور اپنا سب کچھ قائد کے حکم پر نچھاور کر دیا۔

ان حالات میں یہ کمیونٹی کسی طرح مجھے (قائد کو) تنہا نہیں چھوڑے گی۔ چنانچہ انہوں نے میمن کمیونٹی کے قائد سر آدم جی کو طلب کیا اور ان سے پاکستان کے لیے مالی مدد کی درخواست کی حاتم علی علوی اسٹیٹ بینک کے سابقہ ڈائریکٹر رہ چکے ہیں ان کا شمار قائداعظم کے قریبی ساتھیوں میں بھی ہوتا ہے۔ وہ ان حالات کی منظر کشی یوں کرتے ہیں۔

''قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کے حصے میں خالی سرکاری تجوری آئی تھی۔ ۷۵ کروڑ کی رقم میں سے صرف ۱۵ کروڑ روپے ملے تھے اس لیے پاکستان مالی مشکلات کے معاملے میں غیر معمولی حالات سے دوچار تھا۔ ایسے نازک موقع پر قائداعظم نے سر آدم جی کو یاد کیا تھا۔ اسی طرح پاکستان کی مالی امداد کے لیے سر آدم جی کو پیغام بھیجا گیا تھا وہ کلکتہ سے فوراً کراچی پہنچے تھے اور قائد اور وزیر خزانہ غلام محمد اور آدم جی کی ایک اہم میٹنگ میں قائداعظم نے پہلے آدم جی کی خیر و عافیت دریافت کی اس کے بعد بلانے کا مقصد بتایا تو اس وقت آدم جی نے خوش گوار لہجے میں پوچھا کہ اس وقت کتنی رقم کی ضرورت ہے قائداعظم نے کہا کہ غلام محمد کہتے ہیں کہ ملک کے لیے کروڑوں بھی ناکافی ہوتے ہیں دوسری جگہ سے بھی بڑی رقم کا بندوبست ہو رہا ہے حکومتِ پاکستان کو زیادہ سے زیادہ کتنی رقم ''لون'' دے سکتے ہیں۔ آدم جی نے فوراً کہا ''میرے پاس جو کچھ ہے پاکستان کا ہے' قائداعظم سے آدم جی کی اس غیر معمولی محبت کو محسوس کر کے بے حد متاثر ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا مجھے آپ کی ساری دولت نہیں چاہیے ضرورت کے وقت مجھے اس سے آئندہ بھی کام لینا ہے۔ آدم جی قائداعظم کے بلاوے کا ایک حد تک مقصد سمجھ کر تیار ہو کر آئے تھے انہوں نے قائداعظم کو کورا چیک (Blank Cheque) پیش کیا۔ (۱۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی زندگی میں بہت کم ایسے مراحل آئے کہ جب انہوں نے ''مسلم لیگ یا'' پاکستان'' کے لیے دست سوال بڑھایا ہولیکن یہ میمن کمیونٹی کا اعزاز تھا کہ جب بھی قائداعظم کو مسلم لیگ یا پاکستان کے لیے مالی مدد کی ضرورت پڑی انہوں نے اکابرین میمن کمیونٹی پر اعتماد کیا اور ان سے مالی امداد کی اپیل کی۔ اکابرینِ کمیونٹی نے قائد کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پاکستان کو اقتصادی مشکلات سے نکالنے کے لیے سر آدم جی کی مالی قربانی واحد مثال نہ تھی بلکہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ قائداعظم کے انتقال کے بعد قائد ملت لیاقت علی خان نے مملکت کا انتظام سنبھالا تو اس وقت بھی حالات جوں کے توں تھے چنانچہ لیاقت علی خان نے سر آدم جی کے فرزند سر واحد آدم جی سے رابطہ قائم کیا اور ان سے مدد کی درخوست کی۔ جمیل الدین عالی ان تمام واقعات کے چشم دید گواہ ہیں وہ روزنامہ جنگ میں اس واقعہ کو تفصیلاً بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''اثاثوں کی تقسیم میں جو بے ایمانی ہوئی وہ اس سے بھی بدتر ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔ جس مد میں ہمارا حق مار سکے مار لیا۔ ایک رقم نوے کروڑ سیدھی سیدھی ہمارے کھاتے میں آ رہی تھی۔ اسے روک لیا۔ سرکاری تنخواہوں کے لالے پڑ گئے۔ پہلے ہی بیشتر سرکاری ملازم اپنے بھرے پڑے گھر چھوڑ کر محض پاکستان کی محبت میں' بے سروسامان چلے آئے تھے۔ پہلے ہی کم خوراک' کم آسائش جائے قیام' کمزوری' بیماری کے شکار تھے۔ اگر انہیں تنخواہ بھی نہ ملتی تو وہ اور ان کے بچے کھاتے کہاں سے۔ ایک بالکل نئے ملک کی حکومت تھی۔ پاکستان جو ابھی عالمی مالیاتی مارکیٹ میں ناآزمودہ تھا، اس کے لیے ہمیں بیس کروڑ روپیہ مہینہ (جو اس وقت کی کم از کم ادائیگی تھی) عالمی بازار سے کسی بھی شرح سود پر لینا آسان نہیں تھا۔ اسی عالم میں اگر قائداعظم جیسی عالمی حیثیت کی شخصیات ہمارے درمیان نہ ہوتی تو شاید پاکستان اولین سہ ماہی میں ہی دیوالیہ ہو جاتا اور پھر نہ جانے کیا ہوتا''۔ (۱۵)

اس تمہید کے بعد جمیل الدین عالی اصل واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کے وہ خود گواہ تھے۔ اس وقت وہ وزارت تجارت میں بطور اسسٹنٹ اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ اور یہ تمام واقعات ان کی موجودگی میں پیش آئے وہ لکھتے ہیں:

''شہید ملت لیاقت علی خان نے گھبرا کر سر واحد جی (سر آدم جی کے فرزند ارجمند اور میمن کمیونٹی کے سرکردہ قائد) صدر آدم جی ملز کلکتہ کو ایک خط لکھا کہ ہمارے پاس تنخواہ دینے کو پیسے نہیں ہیں (ان کی فیکٹری اور کئی چھوٹے موٹے کاروبار مشرقی پاکستان میں بھی تھے) جو بھی سود آپ مقرر کریں گے اس کے ساتھ آپ کا قرض واپس کر دیں گے۔ ساتھ ہی لکھا کہ فی الحال یہ خط ہی ممکن تھا آپ کے نمائندے جس قسم کی مشاہداتی یا ضمانتی دستاویز چاہیں سیکریٹری خزانہ سے لکھوالیں''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اب مجھے کم از کم اسی فیصد یقین ہے کہ اب جو میں لکھوں گا اس پر آج کا کوئی سرمایہ دار ہی نہیں کوئی عام آدمی بھی یقین نہیں کرے گا۔ (اس دور کے گواہ بہت کم رہ گئے ہیں) مگر جہاں بعض تاریخی باتیں جھوٹی یا مبالغہ ثابت ہوئی ہیں وہیں بعض تاریخی باتیں کتنی ہی حیرت انگیز ہوں سو فیصد سچی بھی ہوتی ہیں۔ آدم جی نے فوراً ہی نہ جانے کس طرح بیس کروڑ روپے جمع کر کے (کیونکہ ان دنوں یہ بہت بڑی رقم تھی اور ناممکن القیاس تھا کہ بینکوں یا کمپنی میں کیش میں پڑی ہو) حکومت پاکستان کے خزانے میں داخل کر دی اور لکھا کہ مطلوبہ رقم پیش کر دی گئی ہے۔ عہد نامے یا ضمانت نامے اور سود کی ضرورت نہیں اگر پاکستان رہا تو ہماری کمپنی سینکڑوں گنا زیادہ کماتی رہے گی اگر خدانخواستہ نہ رہا تو کوئی قانونی دستاویز کوئی شرح سود کیا کام آئے گی۔''(۱۶)

محقق نے اپنی تحقیق کے دوران بہت کوشش کی کہ کوئی ایک دوسری مثال تلاش کی جائے تاکہ اس جذبہ حب الوطنی اور پاکستان سے محبت کا دوسری کمیونٹی سے موازنہ کیا جاسکے لیکن محقق اپنی کوشش میں ناکام رہا اور کوئی ایک مثال بھی نہ مل سکی۔ جس سے موازنہ کیا جاسکتا۔ یہ اس کمیونٹی کا اعزاز ہے جو کسی دوسری کمیونٹی کو حاصل نہ ہوسکا۔ اس کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس قربانی کی عوض سر واحد آدم جی نے حکومت پاکستان سے کوئی مراعات حاصل نہیں کی بلکہ بے لوث خدمت کی ایک مثال قائم کی۔ لیاقت علی خان نے انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ کو ان سے حسن سلوک کی ہدایت جاری کیں۔

جمیل الدین عالی لکھتے ہیں:

جب میں انکم ٹیکس آفیسر تھا (۱۹۵۲۔۵۹) تو اتفاق سے کمپنی سرکل میں دینے والی آدم جی کی فائل بھی ایک حوالے کے لیے دیکھنے میں آئی۔ اس میں شہید ملت لیاقت علی خان کا بطور وزیر اعظم ایک ذاتی خط (یادداشت یا اس کی مصدقہ نقل) موجود تھا۔ مضمون یہ کہ ان کا ٹیکس تشخیص کرنے کے سلسلے میں کوئی اور یجنل یا اپیل افسر کے کسی طریق کار میں مخل ہونے کا حق دار نہیں۔ وہ جتنا ٹیکس واجب سمجھیں لگایا کریں لیکن ایک مشکلوں میں گھرے ہوئے نوزائیدہ ملک کے پہلے وزیر اعظم کی حیثیت سے یہ رقعہ ریکارڈ پر چھوڑے جاتا ہوں اگر ان سے یا ان کے جانشینوں سے کوئی غلطی یا خلاف قانون حرکت نہ ہو تو افسر متعلقہ سے میری گزارش ہے کہ وہ اس کمپنی سے اس واقعے کی یاد میں کچھ حسن سلوک کا مظاہرہ کر دیا کرے۔(۱۷)

انکم ٹیکس ڈپارٹمنٹ کا آدم جی گروپ سے کیا رویہ رہا یہ ہماری بحث میں شامل نہیں لیکن یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سر آدم جی اور بعد میں سر واحد آم جی پاکستان کو کثیر رقم نہ دیتے تو اس کا اثر نہ صرف پاکستان کی معیشت پر پڑتا بلکہ سرکاری ملازمین کی تنخواہیں بھی نہ دی جاسکتیں۔ میمن کمیونٹی کی مالی اعانت ہی تھی جس کی وجہ سے پاکستان اس اہم مسئلے سے نکلنے میں کامیاب ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استحکامِ معیشت اور میمن کمیونٹی:

کسی بھی سیاسی نظام کی کامیابی کا دارومدار اس کی معیشت پر ہوتا ہے اگر ریاست کے عوام معاشی طور پر مستحکم ہوں گے اور معیشت ترقی کرے گی تو سیاسی نظام بھی ترقی کرے گا اس کے برعکس ریاست کے افراد کو بھوک' افلاس اور بے روزگاری جیسے امراض کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو تو اس ریاست میں کوئی بھی سیاسی نظام کامیابی سے نہیں چلایا جا سکتا۔ غیر منقسم ہندوستان میں میمن کمیونٹی اور ہندو بنیے دو ایسے گروہ تھے جنہوں نے معیشت کو سہارا دیا ہوا تھا۔ تقسیم ہند کے منصوبہ کا اعلان ہوتے ہی ہندو بنیے کثیر تعداد میں ہندوستان کے علاقوں میں کوچ کر گئے' عبدالستار گو پلانی بیان کرتے ہیں۔

''یہ وہ دور تھا جب ہندو پاکستان سے بھاگ کر بھارت جا رہے تھے۔ ہندوؤں کو پاکستان سے بھارت بھگانے کے لیے ہندو رہنما اکساتے تھے کراچی اسٹیشن پر اچاریا کریپ لانی نے یہاں سے ہندوستان جانے والے ہندوؤں کو اطمینان دلایا تھا کہ زیادہ سے زیادہ ہندوؤں کو پاکستان چھوڑ کر چلے جانا چاہیے کیونکہ پاکستان چند دنوں کا مہمان ہے۔ ہندوؤں کو دوبارہ یہیں آ کر اپنے گھروں میں آباد ہونا ہے ان کا مشورہ تھا کہ پاکستان کی معیشت کو ختم کرنے کے لیے ہندوؤں کو عارضی طور پر یہاں سے بھارت چلے جانا چاہیے۔(۱۸)

ریاست ہائے کاٹھیاواڑ و گجرات میں جہاں میمن برادری کی اکثریت آباد تھی یہ علاقے معاشی لحاظ سے نہایت خوشحال اور تجارتی سرگرمیوں کا مرکز تھے۔ بھارت کے دوہرے معیار کی وجہ سے یہ علاقے پاکستان میں شامل نہ ہو سکے۔ کہیں بھارت نے آبادی کے مذہب کو معیار بنایا تو کہیں حکمران کی مذہبی حیثیت کو معیار بنا کر ان علاقوں کو بھارت میں شامل کر دیا اور اپنی فوجیں بھجوا کر لوٹ مار کا ایسا بازار گرم کیا کہ بدنامی کا وہ داغ جو اسے ۱۹۴۷ء میں لگا آج تک صاف نہ کر سکا۔ کتیانہ پر ہندو فوج کے قبضے کے بعد میمن کمیونٹی نے ان تمام علاقوں سے ہجرت کرنے میں عافیت سمجھی کاٹھیاواڑ سے میمن برادری کی ہجرت پاکستان کی معیشت کے لیے رحمت کا باعث بن گئی۔ بھارت سے یہ کمیونٹی اپنی ساتھ جو سرمایہ لے کر آئی اس کا انہوں نے صحیح استعمال کیا اور اس کی مدد سے اپنی تاجرانہ و کاروباری صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا۔(۱۹)

ہندو تاجروں کے بھارت بھاگ جانے سے یہاں کے بازار خالی ہو گئے لیکن کاٹھیاواڑ اور گجرات کے شہروں اور ان کے اطراف سے آنے والی میمن برادری اس کمی کو پورا کرنے میں لگ گئی۔ کراچی کے بازاروں میں میمن برادری براجمان ہو گئی۔ بانٹوا' کتیانہ' جیت پور جیسے شہروں کی آبادی میں زیادہ تر بڑے تاجر اور صنعت کار تھے۔ انہوں نے یہاں آ کر بڑے کاروبار اور برآمدی معاملات کو سنبھال لیا اور بازاروں کو مال سے بھر دیا اوسط اور چھوٹے چھوٹے کاروبار ایسے تاجروں نے سنبھالے جو دکانوں پر چھوٹے کاروبار کرتے تھے۔ یہ چھوٹے بڑے تاجران جوڑیا بازار' کپڑا مارکیٹ اور صدر جیسی جگہ کے کاروبار کو چلانے لگے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبدالستار ایدھی کہتے ہیں:

میمن برادری کی محنت کے نتائج جلد ہی سامنے آنے لگے۔اب شہر میں ہر طرف کاروباری رونق تھی۔اشیاء کی کمی کے باوجود دکانیں کھل گئیں اور کپڑوں کے بازار سج گئے۔کریانے، حلوائی اور قصابوں کی دکانیں آباد ہوگئیں۔فٹ پاتھ پر کھوکھے اور ٹھیلے والوں سے میلہ سج گیا۔پرانے کپڑے اور گھریلو اچار کی مختلف قسمیں فروخت ہونے لگیں۔برف، شربت اور پھل بکنے لگے۔ٹھیلے والے کسی گلی کے نکڑ پر رکتے اور مکھیوں کی یلغار میں اپنا کام جاری رکھتے۔ایک ہاتھ سے برف کا گولہ یا شربت بناتے تو دوسرے سے مکھیوں کو اڑانے کی کوشش میں لگے رہتے۔اب بکنے والی ہر چیز بازار میں عام دستیاب ہونے لگی۔(۲۰)

گجرات میں احمد آباد، سورت، بھروچ، لوساری، بڑودا اور اس کے اطراف چھوٹے چھوٹے گاؤں سے آئے ہوئے میمن (جو کہ بنیادی طور پر کاٹھیاواڑ کے میمن تھے) خاص طور پر سونا چاندی کے تاجر تھے۔ان میں بعض چھوٹے بڑے دکاندار تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو پرانی زری اور تار کی پھیری کرتے تھے۔سونا چاندی کا کاروبار کرنے والے ہندوؤں کے بھارت چلے جانے سے یہاں صرافہ بازار میں جو خلاء پیدا ہوا تھا اس کو سونا چاندی کے ان تاجروں نے پر کر دیا اور اپنی حیثیت کے مطابق چھوٹی بڑی دکانوں میں کاروبار شروع کر دیا۔

بڑے تاجران نے برآمدات کا سلسلہ شروع کیا۔متوسط تاجر چھوٹے بڑے کاروبار میں لگ گئے جو بالکل غریب تھے ان کو ملازمت مل گئی یہاں یہ واضح کرنا بے جا نہ ہوگا کہ کاٹھیاواڑ اور گجرات سے جو ہجرت ہوئی ان میں زیادہ تر میمن تاجر حضرات ہی تھے۔(۲۱)

میمن کمیونٹی کے بڑے صنعتی گروپ کو پاکستان منتقل کرنے اور انہیں ان علاقوں میں صنعتیں لگانے اور کاروباری سرگرمیوں کو شروع کرانے میں میمن کمیونٹی کے سپوت اور مسلم لیگ کے رہنما یوسف ہارون نے اہم خدمات سرانجام دیں۔ یوسف ہارون ۱۹۴۴ء میں کراچی کے میئر منتخب ہوئے اس وقت وہ پورے ہندوپاک میں سب سے کم عمر میئر تھے۔۱۹۴۶ء میں وہ کراچی چیمبر آف کامرس کے صدر منتخب ہوئے۔ساتھ ہی ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۷ء تک ہند کی سینٹرل لیجیسلیٹو اسمبلی کے رکن بھی رہے۔یوسف ہارون نے ۱۹۴۷ء کی ابتداء میں کاٹھیاواڑ کے دورے کیے اور میمن کمیونٹی کو کراچی کی طرف راغب کیا۔ مسلم ٹائمز رقمطراز ہے۔

''۱۹۴۷ء کی ابتدا میں جناب یوسف ہارون نے ۲۱ تا ۲۵ جنوری تک کاٹھیاواڑ میمن مرکزوں کے تیزی کے ساتھ دورے کیے۔مسلم لیگ کے صدر حاجی دادا حاجی ولی محمد اور دیگر رہنما عبدالرحیم معرفانی، حاجی ولی محمد اور عبدالغنی میگھانی اس دورے میں ان کے ہمراہ تھے۔ جناب یوسف ہارون نے کاٹھیاواڑ کے اپنے دورے کے درمیان وہاں کے تاجروں کو سندھ میں آکر صنعتیں قائم کرنے کی دعوتیں دی تھیں اس سلسلے میں کاٹھیاواڑ کے کئی تاجر صاحبان نے فروری ۱۹۴۷ء میں کراچی کا دورہ کیا تھا''۔(۲۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوسف ہارون نے یہ دورے اپنی مرضی سے نہ کیے تھے بلکہ اس میں قائداعظم کی مرضی اور حکم شامل تھا۔قائداعظم اس حقیقت کا ادراک رکھتے تھے کہ معیشت کی ترقی کے لیے تجربہ کار کاروباری ذہن رکھنے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے یہ کمی صرف میمن کمیونٹی ہی پورا کرسکتی ہے۔قائداعظم نے خود بھی میمن کمیونٹی کو حکم دیا کہ ان کا اصل وطن پاکستان ہے چنانچہ انہیں پاکستان واپس آنا چاہیے۔۲۲دسمبر ۱۹۴۶ءکو کراچی کے میمنوں نے قائداعظم کو ایک استقبالیہ دیا۔قائداعظم نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

''میمن قوم جیسی سرکردہ تاجر برادری کی جانب سے دیے گئے استقبالیہ پر مجھے بے حد خوشی اور مسرت ہوئی ہے میں جانتا ہوں کہ میمن قوم ایک نڈر تاجر برادری ہے اور اس باشعور قوم نے پاکستان کی منصوبہ بندی میں پرخلوص اور بامعنی سرگرمیوں سے تعاون کرکے اس کی ہمت افزائی کی ہے اپنے اردگردان پوسٹروں کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آپ حضرات نے بڑی تیزی سے ترقی کی ہے اور لاہور میں قرارداد پاکستان کی منظوری سے قبل آپ اس اصول کو اپنا چکے ہیں''۔

قائداعظم نے میمن برادری کو پاکستان آنے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔

''آپ حضرات ہندوستان بھر میں اور ہندوستان کے باہر پھیل چکے ہیں آپ نے بہت عزت اور احترام حاصل کرلیا ہے آپ کی صلاحیت اور ذہانت کسی تعریف کی محتاج نہیں ہے مگر آپ اپنے گھروں کو بھول چکے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ گھر کی جانب سے آپ کی یہ بے پروائی آپ کی بنیادوں کی جڑوں کو خشک کردے گی آپ کے لیے وسیع شعبوں کے دروازے کھلے پڑے ہیں، سکھر بیراج اور اس سے منسلک ہُنر اور صنعت آپ سے فکر فردا مانگ رہی ہے۔

آپ کے مستقبل اور آپ کی نسلوں کی خوشحالی کے لیے اور ان کو اقتصادی طور پر آزاد بنانے کے لیے یہاں وسیع میدان آپ کا انتظار کررہا ہے اس لیے آپ کو میرا صرف یہی مشورہ ہے کہ صدیوں سے گھر چھوڑ کر دور جانے والو پھر اپنے گھر واپس لوٹ آؤ' کم بیک ہوم (Come Back Home) امید ہے کہ ہر میمن اور گجراتی میرے ان الفاظ پر عمل پیرا ہوگا''۔(۲۳)

میمن کمیونٹی نے تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم کے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی اس لیے اب بھی ان کے لیے ممکن نہ تھا کہ قائد کا حکم نہ مانیں۔میمن کمیونٹی کے بڑے بڑے تاجروں اور صنعت کاروں نے نہ صرف پاکستان کی طرف ہجرت کی اور فوراً اپنے اہل خانہ کو پاکستان بھیجنا شروع کردیا بلکہ ہندوستان میں پھیلے ہوئے اپنے کاروبار کو بھی سمیٹنے لگے انہوں نے کراچی میں اپنے دفاتر قائم کرلیے۔

دوسرے ممالک سے جو مال بھارت درآمد ہونے والا تھا اس کا رخ بدل کر کراچی پورٹ کی جانب کردیا قائداعظم نے یوسف ہارون کے ذریعے اپیل پر کہ میمن برادری اپنا فاضل سرمایہ انڈیا سے پاکستان حبیب بنک کراچی میں منتقل کردیں، اس اپیل پر ہندوستان میں آباد میمن سرمایہ کاروں نے لبیک کہا اور قائد کی اپیل پر آدم جی باوانی' داؤد بنگالی' حسین قاسم دادا' محمد علی رنگون والا' تیلی' فیکٹو ' عبدالغنی جنانی' احمد عبداللہ اور دیگر گروپس نے بڑے پیمانے پر پاکستان میں سرمایہ کاری کی جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بدولت یہاں سے انڈیا ہجرت کر جانے والے ہندو تاجروں کے بعد تجارت میں پیدا ہونے والے خلا کو پُر کیا۔ (۲۴)

میمن کمیونٹی نے ہجرت سمندری راستے سے کی اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجرت کے دوران انہیں لاکھوں کی جائیداد کا نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس کے باوجود بعض تاجر وہاں سے اچھی خاصی نقد رقومات اپنے ساتھ لانے میں کامیاب رہے جس نے پاکستان کی متزلزل معیشت کو سہارا دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ تجارتی سوجھ بوجھ، حوصلہ اور مہارت یہ وہ خوبیاں تھیں جو ان میں موجود تھیں چنانچہ انہوں نے اپنی خوبیوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور قومی معیشت کو سہارا دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ویسے تو تقریباً ہر شعبہ ہائے زندگی میں انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے لیکن چند اہم شعبہ جات میں میمن برادری کی کارکردگی یہ رہی۔

☆ کسی بھی ریاست کے لیے بینکنگ کا شعبہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ہی سر آدم جی کی زیر نگرانی ''مسلم کمرشل بینک'' قائم کر دیا گیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد میمن کمیونٹی کے اکابرین نے اس شعبے پر خصوصی توجہ دی۔ مسلم کمرشل بینک کے سربراہ اے، واحد آدمجی تھے۔ ۱۹۴۸ء کے وسط تک مغربی اور مشرقی پاکستان میں اس کی بہت سی شاخیں کھل گئی تھیں۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا رجسٹرڈ آفس ڈھاکہ سے کراچی منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۷۱ء تک مسٹر عبدالواحد آدم جی اس کے چیئرمین رہے اور اس کے انتظامی امور کے اختیارات آدم جی کے خاندان کو ہی حاصل رہے جب دیگر نجی بنکوں کے ساتھ اسے بھی قومی ملکیت میں لیا گیا تو اس وقت اس کا شمار پاکستان کے صف اول کے بینکوں میں ہوتا تھا۔ دوسرا بینک حبیب بینک تھا۔'' ان دونوں بینکوں کے ذریعے زرمبادلہ منتقل کیا گیا۔ گورنمنٹ کا اپنا بینک، نیشنل بینک آف پاکستان'' کے قیام میں بھی اس برادری نے نمایاں کردار ادا کیا۔ اس بینک کے چیئرمین ''محمد علی رنگون والا'' کا تعلق بھی اسی برادری سے تھا۔ انہوں نے ۱۹۷۰ء تک اپنے فرائض سرانجام دے کر اس بینک کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔ علاوہ ازیں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے پہلے گورنر کے عہدے پر فائز رہنے کا اعزاز بھی اسی برادری کو حاصل ہوا۔ ''محمد قاسم پاریکھ'' ایک ماہر بینکار تھے۔ انہیں یہ اعزاز حاصل ہوا کہ پاکستان کے پہلے کرنسی نوٹ پر انہی کے دستخط ہیں جو میمن کمیونٹی کے لیے بھی اعزاز ہے۔ قاسم دادا، عزیز ساکرانی، حسین لوائی، یوسف خیراتی اور ان جیسے لاتعداد میمن حضرات نے مملکت خداداد پاکستان میں بینکنگ کے شعبے کی ابتداء اور ترقی میں اہم خدمات سرانجام دیں۔

☆ مملکت خداداد پاکستان میں انشورنس کا شعبہ قائم کرنے والوں میں میمن کمیونٹی کے سرمایہ کار شامل رہے ہیں۔ آدم جی گروپ نے آدم جی انشورنس لمیٹڈ قائم کی، داؤد گروپ نے سینٹرل انشورنس کمپنی لمیٹڈ، النور گروپ اور باوانی گروپ نے ریلائنس انشورنس کمپنی لمیٹڈ، یہ تمام کمپنیاں میمن سرمایہ کاروں کی محنت کا نچوڑ ہے۔

☆ پاکستان کی تعمیر و ترقی بالخصوص کراچی، حیدرآباد، سکھر کی تعمیر و ترقی میں میمن کمیونٹی کے بلڈرز نے اہم کردار ادا کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالخصوص کراچی کو عروس البلاد شہر بنانے میں میمن کمیونٹی کا ہاتھ ہے۔۱۹۷۰ء کے بعد تعمیراتی دنیا میں انقلاب برپا ہوا اور تعمیراتی کاموں میں بے انتہا تیزی آ گئی تو میمن حضرات نے بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرائی اور کم قیمت میں نئی بستیاں آباد کرائیں جس کی وجہ سے شہر کراچی بالخصوص روشنیوں کا شہر بن گیا۔

☆ مشروب کی دنیا میں تیلی گروپ (پاکولا) دیوار اور چھت کے پنکھوں کی صنعت میں میٹالیکس کارپوریشن لمیٹیڈ (ملت پنکھے) کے مالک عبدالغنی جنانی، انٹرنیشنل لیبارٹریز کے محمد علی رنگون والا جنہوں نے ٹوتھ پیسٹ، فیس کریم، بالوں کی کریم کی صنعت میں نام پیدا کیا۔ داؤد گروپ کی کمپنیوں نے ٹوتھ پیسٹ، صابن، فریج اور ڈیپ فریزر بنانا شروع کیے۔ دادا بھائی نے سینٹری کی صنعت کو سنبھالا، اسی طرح کنفیکشنری کی دنیا میں ''یونین'' کے نام سے کون واقف نہیں، وہ اسماعیل احمد میمن گھرانے کے فرزند تھے۔

☆ پاکستان میں سوکھے دودھ (Milk Powder) کی صنعت کی ابتداء احمد پاریکھ اور ان کے بھائی عبدالستار پاریکھ نے فرارموسٹ ڈیریز کے تعاون سے کیا ان کا تعلق میمن کمیونٹی سے تھا ان کے ادارے کے تحت سوکھے دودھ کے علاوہ، دودھ کی بوتلیں، مکھن، چیز (Cheese) آئسکریم اور دہی تیار کی جاتی۔

☆ پاکستان کو معاشی طور پر مضبوط کرنے کے لیے کئی میمن صنعتی گروپ سرگرمِ عمل تھے ان گروپس کے تحت چلنے والے اداوں میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد اپنی روزی حاصل کرتے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف بے روزگاری کا خاتمہ ہوا تو دوسری طرف حکومت کو محصولات کی مد میں خاطر خواہ آمدنی ہوئی جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے قیام کے ابتدائی دنوں میں زرِ مبادلہ کے حصول کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ پٹ سن کی برآمد تھا۔ عبدالواحد آدم جی نے ۵۰ ملین روپے کی سرمایہ کاری صرف اس شعبے میں کی اور مشرقی پاکستان میں جوٹ مل قائم کر کے ۴۰ ہزار افراد کو بلواسطہ اور دس لاکھ افراد کو بلاواسطہ روزگار فراہم کیا۔ علاوہ ازیں چائے، شکر، ٹیکسائل ملز، پیپر اور کیمیکل ملز کے علاوہ آدم جی انشورنس کمپنی اور دیگر کئی منصوبے شروع کیے جس سے لاکھوں افراد نے ملازمت اختیار کی۔ علاوہ ازیں، قاسم دادا گروپ، باوانی گروپ، فیکٹو گروپ، پاکولا بنانے والے پاکستان بیوریج کمپنی، داؤد گروپ نے بھی ہزار ہا افراد کو ملازمت فراہم کی اور ملک صنعتی دور میں شامل ہونے کے قابل ہوا۔ ان اداروں کی تجارتی و صنعتی سرگرمیاں صرف کراچی یا سندھ تک محدود نہ تھیں بلکہ انہوں نے پورے ملک میں صنعتی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ مثلاً داؤد گروپ نے بورے والا ٹیکسٹائل ملز لمیٹیڈ، داؤد ہرکیوس (کیمیائی کھاد بنانے کا کارخانہ) لارنس پور وولن اینڈ ٹیکسٹائل ملز لمیٹیڈ، ساج انٹرنیشنل (پرائیوٹ) لمیٹیڈ، نیشنل مائینیز (پرائیوٹ) لمیٹیڈ، جیسے ادارے ملک کے دور دراز کے علاقوں میں قائم کیے اور ملکی ترقی کی رفتار کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ (۲۵)

☆ محمدی اسٹیم شپ کمپنی کا قیام پاکستان وجود میں آنے سے پہلے آچکا تھا۔ اس کے چیئرمین قاسم دادا تھے اس شپنگ کمپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بدولت ہزاروں افراد پاکستان کی سرزمین پر بخیر و عافیت پہنچے تو دوسری طرف درآمدات اور برآمدات میں اس کمپنی نے نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کمپنی کے حصص میمن کمیونٹی کے پاس تھے علاوہ ازیں ایک دوسری شپنگ کمپنی ''اسلامک اسٹیم شپ کمپنی'' کے نام سے قائم کی گئی عملی طور پر اس کا بھی انتظام میمن کمیونٹی کے پاس تھا۔

☆ قیام پاکستان کے بعد ٹیکسٹائل کے شعبے میں پہلی مل' ولیکا ٹیکسٹائل مل' قائم کی گئی جو فخر الدین ولیکا اور ان کے بھائی سیف الدین ولیکا نے قائم کی ان کا تعلق میمن کمیونٹی سے تھا۔ فخر الدین ولیکا کے فرزند قمر الدین ولیکا بیان کرتے ہیں۔ یہ پاکستان کی صنعتی ترقی کا آغاز تھا اس کے بعد گجراتی اور میمن تاجروں اور صنعت کاروں نے دن رات سخت محنت سے کام کر کے پاکستان کی ابتدائی معیشت کو جس طرح مستحکم کیا اور سینکڑوں کی تعداد میں صنعتیں لگائیں وہ پاکستان کی تاریخ میں سنہری باب ہے۔(۲۶)

ولیکا ٹیکسٹائل مل کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس مل کا افتتاح قائداعظم نے اپنے دست مبارک سے کیا انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

''مجھے دلی خوشی ہے کہ مجھ کو سوتی کپڑے کے جس کارخانے کا سنگِ بنیاد رکھنے کی دعوت دی گئی ہے وہ اپنی نوعیت کا پہلا کارخانہ ہے سندھ کے ایک معروف اور تجربہ کار شخصیت نے مجھے بتایا ہے کہ اگر اس صوبے کو پورے مواقع فراہم کیے جائیں تو اس کی زراعت اور صنعت کی پیداوار مصر کے مقابلے میں تین گنا ہو سکتی ہے''۔ پھر قائداعظم نے کارخانے کے بانیوں کے لیے دعا کی اور امید کا اظہار کیا کہ ''یہ پہلا اور آخری کارخانہ نہیں ہوگا بلکہ اس کی جلو میں اور بہت سے کارخانوں کا قیام عمل میں آئے گا''۔(۲۷)

☆ پاکستان ہجرت کے بعد میمن کمیونٹی کے ممبران نے مختلف ایسوسی ایشن قائم کیں یا ان کا انتظام سنبھالا۔ کراچی کپاس ایسوسی ایشن جو ہندوؤں کے جانے کے بعد مردہ ہو چکی تھی اسے دوبارہ زندہ کیا اور بڑی تعداد میں میمن حضرات جو اس کام سے وابستہ تھے اس کے ممبر بنے۔ کپاس' کپڑا' دھاگہ اور کریانہ سے متعلق مختلف ایسوسی ایشن قائم کی گئیں تاکہ منظم طریقے سے کاروبار کیا جا سکے۔ ان ایسوسی ایشنز میں صرافہ بازار ایسوسی ایشن' کھانے کے تیل کے تاجروں کی ایسوسی ایشن وغیرہ اہم ہیں۔ ان سب میں کراچی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کو خاص اہمیت اور مقام حاصل رہا ہے۔ تقسیم ہند کے وقت اس کے صدر میمن رہنما یوسف ہارون تھے۔ ان کے بعد کئی میمن کاروباری شخصیات اس کے صدور رہے جن میں سے چند یہ ہیں:

محمد علی رنگون والا	۱۹۵۹ء	اے کے سومار	۱۹۶۱۔۶۳ء
عبدالرحمٰن حاجی حبیب	۱۹۷۳۔۷۲ء	قاسم عثمان کھانڈ والا	۱۹۷۲۔۷۴ء
عبدالمجید سلیمان باوانی (ان کا انتقال ۹ جنوری ۱۹۷۹ء کو ہوا)	۱۹۷۸۔۷۹ء	عبدالجبار خمیسانی	۱۹۷۸۔۷۹ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاجی عبدالرزاق جانو	۷۳۔۱۹۸۱ء	عبدالکریم راجکوٹ والا	۸۶۔۱۹۸۵ء
محمد یونس بندوکڑا	۸۹۔۱۹۸۸ء	عبدالعزیز حاجی یعقوب	۹۲۔۱۹۹۱ء
احمد عبدالستار	۹۵۔۱۹۹۴ء	محمد حنیف جانو	۹۸۔۱۹۹۷ء
عبداللہ اسماعیل	۹۹۔۱۹۹۸ء	محمد زبیر موتی والا	۲۰۰۱۔۲۰۰۰ء
سراج قاسم تیلی	۲۰۰۴۔۲۰۰۳ء	ماجد عزیز	۲۰۰۷۔۲۰۰۶ء (۲۸)

آل پاکستان میمن فیڈریشن کے سابق صدر محمد فاروق موٹلانی لکھتے ہیں:

''کراچی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کو ایک پیمانہ بنایا جائے تو اس وقت کراچی چیمبر کے کل ممبران کی تعداد ۱۳۰۰۰ (تیرہ ہزار) ہے جس میں تقریباً ۲۰۰۷ ممبرز میمن برادری سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ کل تعداد کا ۵۵٪ بنتے ہیں۔ پاکستان میں میمن برادری آبادی کے لحاظ سے ایک فیصد (۱٪) سے بھی کم ہے اس طرح دیکھا جائے تو ملک کی Economy میں میمن برادری کا حصہ اس کی حیثیت سے بڑھ کر ہے۔ (۲۹)

☆ کراچی اسٹاک ایکسچینج کی تاریخ میمن کمیونٹی کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی' یوسف' اے ہارون' قاسم ایچ' کے دادا' احمد' ایچ' اے دادا' لطیف ای جمال کراچی' اسٹاک کی بنیادیں مضبوط کرنے والوں میں شامل ہیں۔ کراچی اسٹاک کے یہ تمام سرکردہ رہنما میمن کمیونٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ صرف ماضی میں بلکہ آج بھی اسٹاک کے کام سے وابستہ افراد کی اکثریت میمن کمیونٹی سے تعلق رکھتی ہے۔ (۳۰)

☆ میمن کمیونٹی نے نہ صرف پاکستان میں معیشت کی ترقی کے لیے اہم کارنامے سرانجام دیے بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی ملک کا نام روشن کیا۔ ۱۹۶۵ء میں جب آر' سی' ڈی کے فورم کے تحت پاکستان' ایران اور ترکی کے چیمبر آف کامرس کی بنیاد رکھی گئی تو اس کی صدارت کے لیے میمن سپوت لطیف ابراہیم جمال کو نامزد کیا گیا۔ جو پاکستان اور میمن کمیونٹی کے لیے باعثِ افتخار تھا۔ اسی طرح محمد علی رنگون والا ۱۹۸۱ء انٹرنیشنل چیمبر آف کامرس کے صدر منتخب ہوئے ان کا تعلق بھی میمن کمیونٹی سے ہے۔ (۳۱)

☆ میمن کمیونٹی کے جو دیگر اہم گروپس پاکستان کی معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں ان میں ایم' ایچ' جی گروپ' اسماعیل حامد گروپ' تابانی گروپ' مکاتی گروپ' حاجی حبیب جانو گروپ' چیپل گروپ' غلام محمد ڈوسل گروپ' مچھیارا گروپ' عبداللہ ہارون گروپ' غنی طیب گروپ' پولانی گروپ وغیرہ اہم ہیں علاوہ ازیں ہزاروں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے گروپ معیشت کی ترقی اور استحکام پاکستان میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں ان تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کی وجہ سے ایک طرف عوام کا معیار زندگی بلند ہوا تو دوسری طرف ملکی معیشت بھی مستحکم ہوئی۔

نوٹ: پاکستان کی دیگر برادریوں کی پاکستان کے لیے خدمات تحریر کی جائیں، ہم انہیں بھی شائع کرنا چاہتے ہیں۔ (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراجع وحواشی

(۱) مولفہ تہمینہ درانی ''عبدالستار ایدھی، سوانح حیات'' اسلام آباد، صفحہ نمبر ۴۵، ۱۹۹۸ء

(۲) عبدالرزاق تھاپلا والا، بانٹوا ماضی، حال، کراچی، صفحہ نمبر ۶۴، ۲۰۰۷ء

(۳) ایضاً، صفحہ نمبر ۴۷

(۴) کھتری عصمت علی پٹیل' تحریک پاکستان اور بانٹوا میمن برادری' بانٹوا ماضی اور حال' کراچی، صفحہ نمبر ۱۲۱، ۲۰۰۷ء

(۵) ایضاً، صفحہ نمبر ۱۲۳

(۶) یادوں کے دیئے یادوں کے چراغ' کراچی (س ن)، صفحہ نمبر ۳۸

(۷) ماہنامہ میمن سماج کراچی' صفحہ نمبر ۱۵، شمارہ نومبر ۲۰۰۳ء

(۸) عصمت علی پٹیل، بانٹوا' ماضی اور حال' کراچی، صفحہ نمبر ۱۲۵

(۹) ماہنامہ میمن بلیٹن کراچی' صفحہ نمبر ۱۲، نومبر ۲۰۰۵ء

(۱۰) عبدالعزیز مرکٹیا، تاریخ اوکھائی میمن برادری' کراچی، صفحہ نمبر ۱۹۰، ۲۰۰۸ء

(۱۱) ماہنامہ میمن سماج کراچی' صفحہ نمبر ۶، شمارہ نومبر ۲۰۰۳ء

(۱۲) A.Sattar Parekh, Enterprising Philonthrophists, Karachi, Page No. 34

(۱۳) احمد ریاض الہدیٰ، تاریخ پاکستان' لاہور، صفحہ نمبر ۲۶، ۱۹۹۰ء

(۱۴) رفیق دھوراجوی، میر کارواں سر آدم جی' کراچی، صفحہ نمبر ۹۴

(۱۵) روزنامہ جنگ کراچی' صفحہ نمبر ۷ مورخہ ۷ ستمبر ۲۰۰۸ء' بروز اتوار

(۱۶) ایضاً، صفحہ نمبر ۷ (۱۷) ایضاً، صفحہ نمبر ۷

(۱۸) عبدالستار گوپلانی، میمن برادری میری نگاہ میں' کراچی، صفحہ نمبر ۴۲، ۲۰۰۲ء

(۱۹) عبدالرزاق تھاپلا والا، بانٹوا ماضی اور حال' کراچی، صفحہ نمبر ۶۴، ۲۰۰۷ء

(۲۰) تہمینہ درانی، ''عبدالستار ایدھی (سوانح حیات)' اسلام آباد، صفحہ نمبر ۵۰، ۱۹۹۸ء

(۲۱) عبدالستار گوپلانی، میمن برادری میری نگاہ میں' کراچی، صفحہ نمبر ۴۲، ۲۰۰۲ء

(۲۲) روزنامہ مسلم ٹائمز' صفحہ نمبر ۲' بمبئی' ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء

(۲۳) گولڈن جوبلی سووینیئر ۲۰۰۳ء' مانا ودر سردار گڑھ میمن جماعت، صفحہ نمبر ۴۵

(۲۴) محمد اقبال میمن، ورلڈ میمن' کراچی' صفحہ نمبر ۴۵' ۲۰۰۷ء

(۲۵) عثمان عمر باٹلی والا، احمد داؤد اک پیکر اوصاف' کراچی' صفحہ نمبر ۴۵' ۱۹۹۵ء

(۲۶) اقبال پاریکھ، اجڑے دیار کی کہانی' کراچی' صفحہ نمبر ۳۱۴' ۲۰۰۳ء

(۲۷) جناح پیپرز جلد پنجم' اسلام آباد' صفحہ نمبر ۲۱۹' ۲۰۰۶ء

(۲۸) Karachi Chamber of Commerce & Industry Annual Report 2007-2008

(۲۹) میمن بلیٹن کراچی' صفحہ نمبر ۳۰' شمارہ جون ۲۰۰۵ء

(۳۰) Habib Lakhani, Memorable Memons, Karachi 1986, Page No. 62

(۳۱) ایضاً، صفحہ نمبر ۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابو بکرؓ کی نظری و عملی سیاست کا منشور

محمد شکیل صدیقی *

ABSTRACT:

"Sermon" (Khutba) is an ancient tradition in Islam. Muslims organized the principles, rules and ethics of Sermon (Khutba). Now, Sermon is an established tradition at various religious, social and political occasions. In history of Sermons the most well known Sermon is that of of Hadhrat Abu Bakr Siddique R.A. There are various features of his sermon, especially, the plan of action of his Khilafah (Government). Principles and features of Islamic politics and leadership were also stated in his sermon. The detailed study of Khutba-e-Khilafat of Hadhrat Abu Bakr Siddique (R.A.) has been discussed in this article.

خطبہ (۱) (تقریر) قدیم عربی روایات میں سے ایک معروف ادبی روایت ہے، خطبہ یا خطابت کو زمانہ جاہلیت کے نثری ادب میں ممتاز اور منفرد مقام حاصل تھا جبکہ 'خطیب' ایک مستقل، سیاسی اور سماجی ادارے کے طور پر عرب تمدن کا جزو لاینفک تھا (۲) تاہم خطابت کا فن اور محرکات و مقاصد پر دوسری اقدار و روایات، شاعری، نسب دانی اور ایام العرب کی طرح جاہلی مفسدات کا غلبہ اور تسلط تھا جس نے خطبہ کی شان اور قدر و منزلت کو گہنا دیا تھا لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ عرب کے تمام خطیب جاہلی مفسدات میں مبتلا تھے بلکہ ان میں بعض ایسے تھے جو اپنی قادر الکلامی، اعتقادات و نظریات اور مہارت کی وجہ سے رجحان ساز تھے۔ (۳)

فنِ خطابت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر قبیلے کا ایک خطیب ہوتا تھا جو اپنی طلاقتِ لسانی کے ذریعے اپنے قبیلے کی عظمت و برتری، دفاع اور حقوق کے تحفظ کے لیے تمام حربے و ہتھکنڈوں کو استعمال کرتا اور دوسرے قبیلے پر اپنی برتری کو ثابت کرتا تھا۔ اس اعتبار سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا خطبہ قدیم عربی اور ادبی روایت میں فخر و مباہات کا ایک موثر ذریعہ تھا۔ (۴)

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب معاشرے کے اعتقادات، اخلاقیات، اطوار و عادات اور رسوم ورواج کی اصلاح و تعمیر میں جو اصلاح و انقلاب برپا کیا اس میں خطبہ کی روایت بھی شامل تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے اصول و آداب وضع کئے اسے اظہار کا بامعنی، مفید، مثبت اور تعمیری ذریعہ بنایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے آغاز

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی   برقی پتا: humera07@live.com

تاریخِ موصولہ: ۱۰/اپریل ۲۰۱۳ء

© rasailojaraid.com